الجامعۃ الاشرفیہ کا دینی و علمی ترجمان
ماہ نامہ مبارک پور
# اشرفیہ
اگست 2025

بے شک ہمارے ہاتھوں میں شعلہ نہیں، دعا ہے،
آنکھوں میں نفرت نہیں، روشنی کی پیاس ہے مگر اگر اندھیرے اس قدر گہرے
ہو جائیں کہ چراغوں کو نگلنے لگیں، اگر ظلم سانپ بن کر حریت کے گلابوں کو ڈسنے لگے، تو پھر ہمیں اپنے زخموں کو ہتھیار بنانا آتا ہے۔ ہم امن کے دیوانے ہیں، لیکن اگر امن کو گلا گھونٹ کر قید کیا جائے، اگر انصاف کو زنجیروں میں جکڑا جائے، اگر سکوت کو بزدلی بنا دیا جائے، تو پھر ہماری خاموشی بغاوت بن جاتی ہے، اور ہماری خاموش آہیں، میدانِ کارزار کی گھن گرج میں ڈھل جاتی ہیں۔ جو خون ہم نے زمین کو دیا ہے، وہ فقط لہو نہیں — وہ عشق کی مہریں ہیں، جو مٹی کی پیشانی پر ثبت ہوئی ہیں۔ وہ خون لال گلاب کی آبیاری ہے، وہ صبح کی اذان ہے، جو رات کے سینے کو چیر کر نکلتی ہے، ہمیں معلوم ہے کہ صبحِ امن آئے گی — شاید وہ چادر لہو سے تر ہو، شاید اس کی ہوا میں سسکیاں ہوں، لیکن وہ صبح آئے گی۔ کیوں کہ سیاہ راہ کا سخت پتھر چاہے کتنا ہی سخت ہو، اذانِ فجر کی شیشہ نما ضرب اسے چکنا چور کر ہی دیتی ہے۔

مبارک حسین مصباحی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

**بیادگار: حضور حافظِ ملت علامہ شاہ الحاج عبدالعزیز قدس سرہٗ بانی الجامعۃ الاشرفیہ**

الجامعۃ الاشرفیہ کا دینی و علمی ترجمان

ماہ نامہ مبارک پور

# اشرفیہ

زیرِ سرپرستی

عزیز ملت حضرت علامہ شاہ

**عبدالحفیظ عزیزی**

سربراہِ اعلیٰ

الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور

**THE ASHRAFIA MONTHLY** Mubarakpur. Azamgarh (U.P.) India. 276404

جلد نمبر 50 شمارہ 8 | اگست 2025ء | صفر 1447ھ

## مجلس ادارت

مدیر اعلیٰ : مبارک حسین مصباحی

منیجر : محمد محبوب عزیزی

تزئین کار : مہتاب پیامی

## مجلس مشاورت

مولانا محمد احمد مصباحی

مفتی محمد نظام الدین رضوی

مولانا محمد ادریس بستوی

مولانا محمد عبد المبین نعمانی

**ترسیل زر و مراسلت کا پتہ**

دفتر ماہنامہ اشرفیہ، مبارک پور اعظم گڑھ یو۔ پی۔ ۲۷۶۴۰۴

+91 9935162520 (Manager)

**زرِ تعاون**

قیمت عام شمارہ: 30 روپیے

سالانہ (بذریعہ سادہ ڈاک) 300 روپیے

سالانہ (بذریعہ رجسٹری) 600 روپیے

سری لنکا، بنگلا دیش، پاکستان، سالانہ

750 روپیے

دیگر بیرونی ممالک

$25 امریکی ڈالر      £20 پونڈ

**نوٹ**: آپ ماہنامہ اشرفیہ ہر ماہ انٹرنیٹ پر بھی پڑھ سکتے ہیں۔

http://www.aljamiatulashrafia.org

Email : ashrafiamonthly@gmail.com

mubarakmisbahi@gmail.com

info@aljamiatulashrafia.org

BHIM

BHIM UPI Payments Accepted at

ASHRAFIA MONTHLY

ASHRAFIA MONTHLY

A/c No. 3672174629

Central Bank Of India

Branch : Mubarakpur IFSC : CBIN0284532

اکاؤنٹ میں رقم جمع کرنے کے بعد آفس کے نمبر پر فون کریں یا بذریعہ ڈاک مطلع کریں۔ (منیجر)

مولانا محمد ادریس بستوی نے فیضی کمپیوٹر گرافکس، گورکھ پور سے چھپوا کر دفتر ماہ نامہ اشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ سے شائع کیا۔

# مشمولات



| | | | | |
|---|---|---|---|---|
| اداریہ | | تل ابیب کے چہرے پر ایران کا طمانچہ | مہتاب پیامی | 5 |
| قرآنیات | تفہیم قرآن | مونث سماعی | مولانا حبیب اللہ بیگ ازہری | 8 |
| فقہیات | آپ کے مسائل | کیا فرماتے ہیں علماے دین | مفتی محمد نظام الدین رضوی | 10 |
| نظریات | فکر امروز | زہر میں گھلتی حیات | مفتی ڈاکٹر محمد سبطین رضا مرتضوی | 12 |
| اسلامیات | شعاعیں | حدیث لولاک لما خلقت الافلاک | مولانا طفیل احمد مصباحی | 18 |
| شخصیات | انوار حیات | افضلیت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ | محمد رمضان رضا عطاری | 22 |
| تاریخیات | یاد ماضی | مبارک پور کی معاشی و معاشرتی تاریخ-۲ | مہتاب پیامی | 26 |
| طبیات | حفظان صحت | یونانی طریقہ علاج | ڈاکٹر ام فرح ایم ڈی | 32 |
| بزم خواتین | چراغ خانہ | موبائل بچوں کے لیے دو دھاری تلوار | محمد شاہد علی مصباحی | 37 |
| بزم دانش | فکر و نظر | سیرتِ امام حسین کے درخشاں نقوش | از مفتی محمد ساجد رضا مصباحی | 38 |
| | | | مفتی محمد اعظم مصباحی مبارک پوری | 42 |
| ادبیات | گوشۂ ادب | فانی گورکھپوری کی شعری کائنات | ڈاکٹر صابر رضا رہبر مصباحی | 45 |
| | نقد و نظر | یاد مجمع البحرین-ایک مطالعہ | شہروز مخفی | 50 |
| مکتوبات | صداے بازگشت | مفتی ڈاکٹر محمد سبطین رضا مرتضوی | | 53 |
| سرگرمیاں | عالمی خبریں | اسرائیل کینسر ہے/دنیا کی نظر میں اسرائیل | | 55 |
| | خیر و خبر | تعلیم و تعلم سے متعلق دو چراغ بجھ گئے<br>ایک تعزیتی سفر | | 57 |
| منظومات | خیابانِ حرم | پروانہ برہان پوری/جمال کاکوی/مولانا طفیل احمد مصباحی | | 58 |

اداریـــــــہ

# تل ابیب کے چہرے پر ایران کا طمانچہ

## ہم جنگ اور اسرائیل دونوں کو ایک ساتھ ختم کریں گے — روزنامہ کیہان

مہتاب پیامی

تہران کے صاف شفاف فضا میں اچانک دھویں کے بادل منڈلانے لگے اور آسمان کے ستارے لرز اٹھے رات کی چادر پر جب آسمان کے ستارے خوف سے کانپنے لگے، دنیا نے دیکھا کہ جنگ کی دیوی نے ایک بار پھر مشرق وسطیٰ کی گود میں اپنے جلتے ہوئے پر پھیلا دیے ہیں۔ اسرائیلی طیاروں نے جب ایران کی زمیں کو چیرتے ہوئے شعلوں کی لکیریں کھینچیں، تو لگا گویا تیل کے کنویں نہیں، تہذیبوں کے زخم چٹکنے لگے ہوں۔ تہران کی جنوبی فصیل پر واقع آئل ریفائنری پر جو آگ برسائی گئی، وہ صرف ایندھن نہیں جلا رہی تھی بلکہ امیدوں کی روشنی کو بھی خاکستر کر رہی تھی۔ لگ رہا تھا جیسے زمین کے سینے پر کوئی پرانا عذاب واپس آگیا ہو، وہی عذاب جو قوموں کو تقسیم کرتا ہے، شہروں کو مٹی میں بدل دیتا ہے، اور خوابوں کو راکھ کر دیتا ہے۔

ایران کے وزیر خارجہ عباس عراقچی نے جب میڈیا سے بات کی، تو ان کے لہجے میں سفارتی لہجے کی بجائے ایک گھائل قوم کی دھڑکن چیخ رہی تھی، ان کا کہنا تھا کہ یہ آگ اسرائیل نے تنہا نہیں لگائی، اس کے پس پردہ واشنگٹن کے سفید ستونوں سے اڑتی ہوئی کالی روشنی بھی شامل ہے، اور اسی روشنی نے ستم کے ان شعلوں کو راہ دکھائی ہے۔ یہ شعلے اسرائیل نے نہیں، امریکی نظامِ ستم نے برسائے ہیں، ہم نے ثبوت فراہم کیے ہیں کہ امریکی اڈے، ان کے ہتھیار، ان کی مرضی اور ان کے صدر کی زبان نے یہ سب کچھ ممکن بنایا۔ ہمارے پاس ثبوت ہیں، ناقابلِ تردید اور ٹھوس... امریکہ نے نہ صرف یہ جانا بلکہ سرِعام مانا کہ وہ اس سازش کا حصہ ہے۔ صدر ٹرمپ کے الفاظ ہمارے زخموں پر نمک نہیں، بلکہ ایک گواہی ہیں، جو تاریخ کے ایوان میں ہمیشہ گونجتی رہے گی۔

عراقچی کا کہنا ہے کہ امریکہ نے پیغامات کے ذریعے معذرت کی کہ وہ ان حملوں میں شامل نہیں، مگر نشانات تو کچھ اور ہی گواہی دے رہے ہیں۔ انھوں نے کہا کہ: "اگر امریکہ واقعی اس جنگ کا حصہ نہیں، تو وہ نیوکلیر تنصیبات پر حملے کی مذمت کرے۔"

یہ حملے ایسے وقت میں ہوئے جب عمان میں امریکہ اور ایران کے درمیان نیوکلیر معاہدے کی چھٹی نشست ہونے والی تھی۔ عراقچی نے دعویٰ کیا کہ "اسرائیل نے ایک بار پھر سفارت کے چراغ کو بجھانے کی کوشش کی ہے، وہی چراغ جس کی لو پر دنیا کی امیدیں رقص کرتی تھیں۔" یہ سب کچھ ایک ایسے لمحے میں رونما ہوا، جب ایران، شام اور لبنان کی فضائیں پہلے ہی جنگ کے بادلوں سے بوجھل تھیں۔ اور اب تہران، اصفہان، بوشہر، شاہرہان، ہر جگہ آگ برسائی گئی، تیل کے کنویں، گیس کے ذخائر، اور بجلی کے نظام.... ہر وہ شریان جس سے ایران کا بدن متحرک تھا، اسے نشانہ بنایا گیا۔ ایران کے فوجی کمانڈروں، پاسداران انقلاب، نیوکلیر سائنسدانوں، اور درس گاہوں کے اساتذہ کو موت کی نیند سلا کر اسرائیل نے تہران کی زمین پر صرف لاشیں نہیں گرائیَ، بلکہ فکر، دانش اور علم کے پودوں کو ان کی جڑوں سے اکھاڑنے کی کوشش کی۔

اس آپریشن کا نام اسرائیل نے "آپریشن رائزنگ لاین" رکھا۔ آپریشن رائزنگ لاین بھی ایسا ہی ایک خاموش مگر چمکتا ہوا شعلہ تھا، جس نے بظاہر ایران کے جوہری مراکز پر حملہ کیا، مگر حقیقتاً پوری مشرقِ وسطیٰ کی سیاسی، عسکری اور تہذیبی زمین کو ہلا دیا۔ آپریشن رائزنگ لاین دراصل مستقبل کی جنگ کا پہلا بڑا مظہر تھا۔ اس میں نہ صرف جدید ٹیکنالوجی استعمال کی گئی، بلکہ اخلاقیات، سفارت، اور قانون کی تمام حدیں بھی عبور کی گئیں۔ اسرائیل نے بغیر اعلانِ جنگ، ایران کے نیوکلیر مراکز پر حملہ کیا۔ دعویٰ کیا گیا کہ یہ حملہ ایران کی


payamee@gmail.com Contact:9235647041

جوہری صلاحیت کو روکنے کے لیے ضروری تھا۔ مگر سوال یہ ہے کہ اگر ہر طاقت ور ملک اپنے خوف کی بنیاد پر دوسروں کی خود مختاری روندنے لگے، تو عالمی نظام کا کیا بنے گا؟ یہ وہ لمحہ تھا جب پیشگی دفاع (preemptive strike) کے نام پر پیشگی فتح حاصل کرنے کی کوشش کی گئی۔ اور دنیا، جو انسانی حقوق، عالمی ضوابط اور اقوامِ متحدہ کے چارٹر کی دعوے دار ہے، محض تماشائی بن کر رہ گئی۔

اسرائیل کا یہ رائزنگ لاین تاریخی بھی ہے اور علامتی بھی، تاریخ میں اس کی جڑیں رضا شاہ پہلوی کے ایرانی پرچم سے جا کر ملتی ہیں، اور علامتی طور پر دیکھا جائے تو یہ "رائزنگ لاین" وہ جدید طاقت ہے جو سائنس، میڈیا اور پروپیگنڈا کو ہتھیار بناتی ہے۔ یہ جدید سیاست کے جنگل کا شیر ہے جس کے پنجے "ڈرون" ہیں، آنکھیں "مصنوعی ذہانت"، اور دماغ "ڈیپ اسٹیٹ" یہ شیر صرف جسم نہیں چیرتا، ریاستوں کی خودی، اقوام کی خود مختاری، اور تاریخ کی حرمت کو بھی زخمی کرتا ہے۔

اس شیر نے نہ صرف جوہری تنصیبات، آئل ریفائنریز اور اہل علم و دانش کو تباہ و برباد کیا بلکہ اس نے ایران کے اندر خفیہ موسادی سرگرمیوں، سائبر تخریب کاری، اور داخلی کمزوریوں کو بھی ہوا دی۔ شاہرہان کے آئل ڈپو میں لگنے والی آگ صرف ایندھن کو نہیں، بلکہ تہران کے باشندوں کے خوابوں کو بھی جلا گئی، آسمان پر اڑتے پرندے، جو کبھی محبت کے قاصد تھے، اب موت کے پیغامبر بن چکے ہیں۔

جنرلز کی ہلاکت، تنصیبات کی تباہی، اور قومی شعور کی چوٹ ــــ یہ سب کچھ بتاتا ہے کہ جنگ اب صرف ہتھیاروں کی جنگ نہیں رہی، بلکہ نظاموں، اداروں، اور قوموں کے اعصاب پر قبضے کی جنگ ہے۔ مگر دنیا نے دیکھا کہ ایران خاموش نہیں بیٹھا۔ جواب میں ایران نے اپنے آتشیں پرندوں کو تل ابیب اور حیفہ کی جانب بہ زبانِ ساحر یہ کہتے ہوئے روانہ کیا۔

هم امن چاہتے ہیں مگر ظلم کے خلاف — گر جنگ لازمی ہے تو پھر جنگ ہی سہی
یہ زر کی جنگ ہے نہ زمینوں کی جنگ ہے — یہ جنگ ہے بقا کے اصولوں کے واسطے
جو خون ہم نے نذر دیا ہے زمین کو — وہ خون ہے گلاب کے پھولوں کے واسطے
آئے گی صبح امن، لہو رنگ ہی سہی

بے شک ہمارے ہاتھوں میں شعلہ نہیں، دعا ہے، آنکھوں میں نفرت نہیں، روشنی کی پیاس ہے مگر اگر اندھیرے اس قدر گہرے ہو جائیں کہ چراغوں کو نگلنے لگیں، اگر ظلم سانپ بن کر حریت کے گلابوں کو ڈسنے لگے، تو پھر ہمیں اپنے زخموں کو ہتھیار بنانا آتا ہے۔ ہم امن کے دیوانے ہیں، لیکن اگر امن کو گلا گھونٹ کر قید کیا جائے، اگر انصاف کو زنجیروں میں جکڑا جائے، اگر سکوت کو بزدلی بنا دیا جائے، تو پھر ہماری خاموشی بغاوت بن جاتی ہے، اور ہماری خاموش آہیں، میدانِ کارزار کی گھن گرج میں ڈھل جاتی ہیں۔ جو خون ہم نے زمین کو دیا ہے، وہ فقط لہو نہیں ــــ وہ عشق کی مہریں ہیں، جو مٹی کی پیشانی پر ثبت ہوئی ہیں۔ وہ خون لال گلاب کی آبیاری ہے، وہ صبح کی اذان ہے، جو رات کے سینے کو چیر کر نکلتی ہے، ہمیں معلوم ہے کہ صبحِ امن آئے گی ــ شاید وہ چادر لہو سے تر ہو، شاید اس کی ہوا میں سسکیاں ہوں، لیکن وہ صبح آئے گی۔ کیوں کہ سیاہ راہ کا سخت پتھر چاہے کتنا ہی سخت ہو، اذانِ فجر کی شیشہ نما ضرب اسے چکنا چور کر ہی دیتی ہے۔

ایران کی ضرب سے جب اسرائیل کی کمر ٹوٹنے لگی تو جس طرح رات کے اندھیرے میں گیدڑوں کا ہجوم ایک آواز میں چیختا ہے، اسی طرح اُس کے ہم نوا چیخنے چلانے لگے کہ یہ صرف بدلہ نہیں بلکہ تیسری عالمی جنگ کی تمہید ہے، امریکہ بہادر نے بھی اپنی چودھراہٹ دکھانے کی کوشش کی لیکن ایرانی رہ نماؤں کے بیانات نے ثابت کر دیا کہ وہ کسی سے نہیں ڈرتے۔

ایرانی حملے کے بعد ایران کے مقامی اخبارات نے اپنی پیشانیوں پر صرف خبریں نہیں، بلکہ ملی غیرت کے زخموں کو کندہ کیا۔ روزنامہ "کیہان" نے لکھا: "ہم جنگ اور اسرائیل دونوں کو ایک ساتھ ختم کریں گے۔" ایک اور اخبار نے اسے قومی جنگ سے تعبیر

کیا، اخبار ”سازندگی“ نے سرخی جمائی ”تل ابیب کے چہرے پر ایران کا طمانچہ۔“

حالیہ واقعات میں، ایران نے اپنے جوابی آپریشن "وعدۂ صادق " کے تحت، جس کے نام ہی میں صداقت اور وعدہ کی گونج سنائی دیتی ہے، پانچ سو سے زائد بیلسٹک میزائل اور ڈرونز کی بارش کر دی۔ یہ بارش پانی کی نہیں، آگ کی تھی، تل ابیب، حیفہ اور ریشون لیزون جیسے شہروں پر ایسی گھنگھور گھٹائیں چھاگئیں جن کے نیچے صرف دھواں، تباہی اور عبرت کے نقش ثبت ہوئے۔ ایران کی فضاؤں نے دشمن کے F-35 جنگی جہازوں کو قبول نہ کیا اور انھیں خاک میں ملایا، جیسے شہیدوں کا انتقام فضاؤں میں سرگوشی کرتا ہو۔

انقلابی گارڈز نے اپنے بیان میں اس جوابی طوفان کی تفصیل کچھ یوں بیان کی جیسے کوئی زخمی شیر دھاڑتا ہو: ”ہم نے ان کے ایندھن کے مراکز، توانائی کی فراہمی کے سرچشموں، اور جنگی جہازوں کی سانسوں کو نشانہ بنایا ہے۔ انھوں نے کہا کہ اگر اسرائیلی ہاتھ باز نہ آئے، تو ایرانی ردِ عمل کی گونج اور زیادہ گہری اور تباہ کن ہوگی۔

ایران کا یہ حملہ صرف فوجی کارروائی نہیں ہے، بلکہ ایک نظریاتی پیغام بھی ہے۔ ایک ملک جس پر جارحیت کی گئی، اس نے جواب دیا، اور ساتھ ہی بین الاقوامی ضمیر کو جھنجھوڑا۔ ایران نے اسرائیلی حملے کو نہ صرف اپنی سرزمین کی خود مختاری پر حملہ قرار دیا بلکہ اسے عالمی قوانین کی صریح خلاف ورزی بھی گردانا۔

ایرانی صدر پزشکین نے ان لمحوں میں جو لب کشائی کی، وہ محض سفارتی جملے نہ تھے بلکہ وہ صدیوں پر محیط ایرانی عزتِ نفس اور مزاحمت کی آواز تھی۔ انھوں نے دوٹوک کہا کہ امریکہ کی وہ پرانی چال، جس میں دباؤ اور دھونس کے ذریعے ایران کو زیر کیا جاتا رہا، اب ناکام ہو چکی ہے۔ اسرائیل کے ان حملوں کی حمایت کو امریکہ کی بدنیتی کا ثبوت قرار دیتے ہوئے انھوں نے کہا: ”وہ ہمیں مجبور کرنا چاہتے ہیں کہ ہم جھک جائیں، مگر وہ نہیں جانتے کہ ہم سر کٹوا سکتے ہیں، جھکا نہیں کرتے۔“ ایسے حالات میں قطر کے امیر شیخ تمیم کی جانب سے ایرانی عوام کے ساتھ اظہارِ ہمدردی اور یکجہتی نے خلیج کی ہواؤں میں ایک نئی ہم آہنگی پیدا کی۔ اس پر صدر نے شکریہ ادا کرتے ہوئے یہ پیغام دیا کہ ایران تنہا نہیں، اور جو دل ظلم کے خلاف دھڑکتے ہیں، وہ ایک دوسرے کے قریب ہیں۔

یہ داستان صرف میزائلوں اور جہازوں کی نہیں، عزت و حمیت، وعدہ و وفا، اور ایک قوم کی بیدار غیرت کی کہانی ہے۔ ایران کی فضائیں اب بھی خاموش نہیں، اور اگر کوئی آسمان سے بارود برسائے گا، تو زمین سے حوصلے اگیں گے، ایسے حوصلے جنھیں نہ گولی مار سکتی ہے، نہ سازش روند سکتی ہے۔ ایرانی اتھارٹی نے اسرائیل کے منہ پر طمانچہ مار کر اسلامیانِ عالم کے جلتے سلگتے سینوں کو جو ٹھنڈک پہنچائی ہے، ہم دعا کرتے ہیں کہ تادیر وہ ٹھنڈک برقرار رہے۔ آمین۔

رسالہ پریس جانے کو تیار تھا، ایسے میں خبر آئی کہ ایران پر حملہ کرنے کی پندرہ روزہ مہلت کے باوجود دو ہی دن میں اپنی بات سے پھرتے ہوئے ڈونالڈ ٹرمپ کے حکم پر امریکی جنگی جہازوں نے ایران کے تین شہروں میں واقع ایٹمی تنصیبات پر بنکر بسٹر بموں سے حملہ کر دیا۔ امریکی صدر نے دعویٰ کیا کہ ایران کی ایٹمی تنصیبا کو ملیامیٹ کر دیا گیا ہے، اس کے یہ دعوے اس وقت بڑ بول ثابت ہوئے جب ایران نے عالمی میڈیا کو بتایا کہ حملہ ضرور ہوا مگر اس کی ایٹمی تنصیبات کو کوئی نقصان نہیں پہنچا۔ ایران اپنا ایٹمی مواد پہلے ہی دوسرے خفیہ مقامات پر منتقل کر چکا ہے۔ ایران نے امریکہ کو اس کے عبرت ناک انجام کی دھمکی دی ہے۔ اس حملے کے بعد دوسری بڑی طاقتوں کے جنگ میں ملوث ہونے کے آثار بھی نظر آنے لگے ہیں۔ اس طرح اگر یہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ دنیا تیزی سے تیسری عالمی جنگ کی طرف بڑھ رہی ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ تیسری عالمی جنگ ہو کر رہے گی اور 2027ء کے ختم ہوتے ہوتے اسرائیل کا وجود بھی دنیا کے نقشے سے غائب ہو چکا ہوگا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔ ■■■

**تفہیم قرآن**

# مؤنث سماعی

محمد حبیب اللہ بیگ ازہری

عربی زبان میں اسم کی دو قسمیں ہیں: مذکر اور مؤنث۔

**مذکر:** وہ اسم ہے جو کسی مرد کا نام ہو، یا جس میں علامت تانیث نہ ہو، مثلاً زید، حمزہ اور قائم وغیرہ۔

**مؤنث:** وہ اسم ہے جو کسی عورت کا نام ہو، یا جس میں علامت تانیث ہو، مثلاً زینب، فاطمہ اور زاہدہ وغیرہ۔

ان تعریفات اور مثالوں کی روشنی میں مذکر و مؤنث کے درمیان بآسانی فرق کیا جاسکتا ہے، لیکن عربی زبان میں کچھ ایسے کلمات بھی پائے جاتے ہیں جن میں بظاہر کوئی علامت تانیث نہیں ہوتی، اس کے باوجود اہل زبان ان کو مؤنث استعمال کرتے ہیں، ایسے کلمات کو علم نحو کی اصطلاح میں مؤنث سماعی یا مؤںث غیر قیاسی کہا جاتا ہے، زبان وادب کے ہر طالب علم کے لیے ضروری ہے کہ ان کلمات کی اچھی طرح شناخت کر لے، تاکہ ترجمہ و تعریب کے دوران کسی قسم کی دشواری کا سامنا نہ ہو۔

ہم یہاں اختصار کے ساتھ مؤنث سماعی کا ذکر کریں گے، اور انھیں الف بائی ترتیب کے مطابق ذکر کریں گے، امید ہے کہ ہماری یہ تحریر زبان وادب کے شائقین کے لیے دلچسپی کا باعث ہوگی۔

**الإبل:** اونٹ اور اونٹنیوں کے لیے بولا جاتا ہے، إبل کا اسی لفظ سے کوئی واحد نہیں ہے، یہ مؤنث ہے، اسی کے تحت لسان العرب میں ہے:قال الجوهري: وهي مؤنثة، لأن أسماء الجموع التي لا واحد لها من لفظها إذا كانت لغير الآدميين فالتانيث لها لازم.

یعنی جوہری نے کہا کہ إبل مؤنث ہے، کیوں کہ جس اسم جمع کا اسی لفظ سے کوئی واحد نہ ہو، اور اس کا اطلاق انسانوں پر نہ ہوتا ہو تو اس کے لیے تانیث لازم اور ضروری ہے۔ اور یہ تمام شرائط لفظ إبل میں موجود ہیں لہٰذا إبل مؤنث ہوگا، ارشاد باری ہے:

اَفَلَا یَنْظُرُوْنَ اِلَى الْاِبِلِ كَیْفَ خُلِقَتْ. [سورۂ غاشیہ:17]

کیا وہ اونٹوں کو نہیں دیکھتے کہ وہ کیسے پیدا کیے گئے ہیں؟

اس آیت میں اونٹ کی تخلیق کے لیے جو فعل آیا ہے وہ مؤنث ہے، جو اس بات پر دلیل ہے کہ إبل مؤنث ہے۔

**الأذن:** ذال کے ضمہ اور سکون کے ساتھ، اس کی جمع آذان ہے، اس کے دو معانی ہیں، ایک کان، دوسرے کان کا کچا، جو ہر سنی بات پر اندھا اعتماد کر بیٹھتا ہے، أذن بمعنی کان مؤنث ہے، ارشاد باری ہے:

اِنَّا لَمَّا طَغَا الْمَآءُ حَمَلْنٰكُمْ فِی الْجَارِیَةِ ﴿۱۱﴾ لِنَجْعَلَهَا لَكُمْ تَذْكِرَةً وَّ تَعِیَهَاۤ اُذُنٌ وَّاعِیَةٌ ﴿۱۲﴾۔ [سورۂ حاقہ:11-12]

یعنی جب پانی حد سے زیادہ ہو گیا تو اے قوم نوح! ہم نے تمھیں کشتی پر سوار کر لیا، تاکہ ہم اسے تمھارے لیے نصیحت بنادیں، اور اسے یاد رکھنے والے کان یاد رکھیں۔

اس آیت مبارکہ کے مطابق لفظ أذن مؤنث ہے، کیوں کہ اس آیت میں أذن کے لیے تَعِيَ فعل مؤنث آیا ہے، ساتھ ہی أذن کی صفت وَاعِيَةٌ بھی مؤنث آئی ہے۔

اور أذن بمعنی کان کا کچا مذکر ہے، ارشاد باری ہے:

وَ مِنْهُمُ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ النَّبِیَّ وَ یَقُوْلُوْنَ هُوَ اُذُنٌؕ قُلْ اُذُنُ خَیْرٍ لَّكُمْ یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ یُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِیْنَ وَ رَحْمَةٌ لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ۔ [سورۂ توبہ:61]

ان میں کچھ وہ بھی ہیں جو نبی کو اذیت پہنچاتے ہیں، اور کہتے

ہیں کہ وہ کان کے کچے ہیں، اے نبی! کہہ دو کہ یہ تمھاری بھلائی کے کان ہیں، جو اللہ پر ایمان رکھتے ہیں، مسلمانوں پر یقین کرتے ہیں، اور تم میں جو ایمان لے آئے ان کے لیے رحمت ہیں۔

اس آیت میں اذن کا دوسرا معنی مراد ہے، کیوں کہ رسول اللہ ﷺ کے بارے میں منافق کہا کرتے تھے: هُوَ أُذُنٌ۔ یعنی یہ ہر ایک کی بات سنتے اور صحیح مان لیتے ہیں، تو اللہ رب العزت نے اپنے محبوب کا دفاع کرتے ہوئے فرمایا: أُذُنُ خَيْرٍ لَّكُمْ ۔

یعنی بلا شبہ یہ ہر ایک کی بات سنتے ہیں، لیکن صرف بھلائی کی بات سنتے ہیں، اور سچی باتوں کی تصدیق کرتے ہیں، کیوں کہ یہ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں، اور مسلمانوں کے خیر خواہ اور سراپا رحمت ہیں۔

اس آیت میں أذن کی صفت کے طور پر آنے افعال میں مذکر کے صیغے ذکر کیے گئے ہیں، جو اس بات پر واضح دلیل ہیں کہ اذن جب دوسرے معنی میں مستعمل ہو تو مذکر ہوتا ہے۔

**الأرض:** زمین کو کہتے ہیں، اس کی جمع أراضي ہے، أرض مؤنث ہے، قرآن مجید کی متعدّد آیتوں میں لفظ أرض مذکور ہے، جن میں أرض کے لیے ذکر کیے گئے افعال، صفات، اور اس کی جانب لوٹنے والے ضمائر مؤنث ہیں، جو اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ أرض مؤنث سماعی ہے، ارشاد باری ہے:

وَالْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا وَ اَلْقَيْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ وَ اَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍۭ بَهِيْجٍ ۔[سورۂ ق:7]

اور ہم نے زمین کو پھیلا دیا اور اس میں مضبوط پہاڑ نصب کیے، اور اس میں ہر قسم کے خوش نما پودے اگائے۔

**الإصبع:** اس کا معنی انگلی ہے، اس کی جمع أصابع ہے، یہ مؤنث ہے، کبھی مذکر بھی استعمال ہوتا ہے، ترمذی شریف، سورۂ والضحی کی تفسیر میں حضرت جندب البجلی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی انگشت مبارک زخمی ہو گئی تو آپ نے فرمایا:

هَلْ أَنْتِ إِلاَّ إِصْبَعٌ دَمِيتِ
وفي سَبِـــيلِ الله ما لَقِيتِ

یعنی تو ایک انگلی ہے جو خون آلود ہو گئی، اور اللہ کی رضا کے لیے تکلیف سے دو چار ہوئی۔

اس حدیث پاک میں إِصْبَعٌ کے لیے دَمِيتِ اور لَقِيتِ صیغۂ خطاب مؤنث لایا گیا ہے، جو اس کی تانیث پر روشن دلیل ہے۔ واضح رہے کہ إِصْبَعٌ کی طرح اس کے تمام افراد مؤنث ہیں، لہٰذا الإبهام، السبابة، الوسطى، البنصر، الخنصر مؤنث استعمال کیے جائیں گے۔

**البئر:** اس کی جمع آبار ہے، بئر کا معنی کنواں ہے، پانی کے کنویں کے لیے مطلقًا بئر یا بئر عادية کہتے ہیں، جب کہ زمزم شریف اور پٹرول وغیرہ کے لیے بئر کو اضافت کے ساتھ استعمال کرتے ہیں، مثلاً بئر زمزم اور بئر البترول وغیرہ، بہر کیف بئر بمعنی کنواں مؤنث ہے، خواہ اضافت کے ساتھ ہو یا اضافت کے بغیر ہو، ارشاد باری ہے:

وَ بِئْرٍ مُّعَطَّلَةٍ وَّ قَصْرٍ مَّشِيْدٍ ۔[سورۂ حج:45]

اور کتنے کنویں ہیں جو بیکار پڑے ہوئے ہیں اور کتنے مضبوط محل ہیں جو اپنے مکینوں سے خالی ہو چکے ہیں۔

اس آیت مبارکہ میں بِئْرٍ کی صفت مُعَطَّلَةٍ مؤنث آئی ہے جو اس بات پر دلیل ہے کہ بئر مؤنث ہے۔

**جهنم:** آخرت میں عذاب کا گھر ہے، قرآن کریم کی متعدّد آیات میں جہنم کا ذکر ہے، اور ہر جگہ مؤنث ہے، مثلاً سورۂ یس میں ہے:

هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ۝ اِصْلَوْهَا الْيَوْمَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ۝ ۔[سورۂ یس:63-64]

یہ جہنم ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا۔ آج اس میں چلے جاؤ، یہ تمھارے کفر کا بدلہ ہے۔

ان آیات میں جہنم کے لیے اسم اشارہ مؤنث لایا گیا ہے، ساتھ ہی کلمہ اِصْلَوْهَا میں ضمیر عائد مؤنث لائی گئی ہے، جو اس بات پر دلیل ہے کہ جہنم مؤنث ہے۔ (جاري)■■■

فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ

# آپ کے مسائل

کیا فرماتے ہیں مفتیانِ دین
سوال آپ بھی کر سکتے ہیں

مفتی محمد نظام الدین رضوی

## مدرسہ کی زمین بیچنا کیسا ہے؟

**سوال:** السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مفتی صاحب کی بارگاہ میں عرض ہے کہ ضلع اناؤ کے علاقے سید بابا کی مزار، طالب سرائے میں تقریباً 5000 اسکوائر فٹ جگہ 5 ستمبر 2014 کو دعوتِ اسلامی کے مدرسے کے لیے خریدی گئی، زمین خریدنے کے کچھ دن بعد یہاں تعمیرات کا کام شروع کیا گیا نیز اس جگہ کی 25 فیصد حصہ کی تعمیرات مکمل ہو گئی اور باقی حصہ کی بنیاد بنا دی گئی۔ یہ سب کام گورنمنٹ سے نقشہ پاس کیے بغیر کیا گیا۔

اب جب گورمنٹ سے نقشہ پاس کرانے کے لیے مقامی ذمہ دار نے انجینئر کا وزٹ کروایا۔ تو اس نے بتایا کہ جو آپ لوگوں نے نقشہ پاس کیے بغیر تعمیرات کی ہے۔ اس پر کمپاؤنڈنگ کا کیس بنتا ہے۔ کمپاؤنڈنگ کے کیس میں درج ذیل چیزیں ہوتی ہیں۔

(1) کمپاؤنڈنگ کے کیس جلدی نہیں لیے جاتے ہیں۔

(2) مالی جرمانہ لگایا جاتا ہے۔

(3) اگر تعمیرات گورنمنٹ کے قانون کے مطابق نہ ہو تو اکثر کیس میں اس کو توڑ دیا جاتا ہے۔

نیز انجینئر نے یہ بھی بتایا کہ اس جگہ سے لگا ہوا ایک نالہ ہے اس لیے اس کا نقشہ پاس کروانے کے لیے ایک این او سی نگر پالیکا یا سنچائی و بھاگ سے لینی ہوگی۔ جو کہ حالات حاضرہ میں ملنا بہت مشکل ہے۔

یہاں جو بنیاد بنائی گئی ہے وہ دعوت اسلامی کے دیے ہوئے ڈیزائن کے مطابق نہیں بنائی گئی ہے۔ جو موجودہ بنیاد ہے اس پر صرف 2 منزل عمارت بنائی جا سکتی ہے۔

ان سب وجوہات کی بنا پر مقامی ذمہ داران اس جگہ کو فروخت کر کے اگر مزید رقم کی ضرورت پیش آئے تو مزید رقم شامل کر کے نئی جگہ ایسی لوکیشن پر خریدنا چاہتے ہیں جہاں نقشہ بھی پاس ہو جائے۔

**نوٹ:** مذکورہ جگہ کی خریداری اور اس میں جو کام ہوا ہے وہ سب چندے کی رقم سے ہوا تھا، اس میں نافلہ اور واجبہ دونوں طرح کی رقم شامل تھی، واجبہ رقم کا استعمال حیلہ شرعی کے بعد کیا گیا تھا۔ نیز چندہ دینے والوں میں سے اب ہر ایک سے رابطہ ممکن نہیں ہے بلکہ کچھ لوگوں سے ہی رابطہ ممکن ہے جن کی تعداد 10 سے 12 فیصد ہوگی۔ مذکورہ معلومات کی روشنی میں دریافت طلب امور یہ ہیں کہ:

(1) اس جگہ کو بیچ کر دوسری جگہ خریدنا کیسا؟

(2) جن اسلامی بھائیوں نے دعوت اسلامی کے دیے ہوئے ڈزائن سے ہٹ کر اور نقشہ پاس کیے بغیر تعمیرات کروائی کیا ان پر تاوان لازم ہوگا؟

الجواب: (1-2)- مدرسہ کے لیے طالب سرائے میں 5000 اسکوائر فٹ جو زمین خریدی گئی، وہ خریدنے کے ساتھ ہی مدرسہ کے لیے وقف ہو گئی اور اب وہ وقف تام و لازم ہے جس کی بیع جائز نہیں، در مختار میں ہے:

"فإذا تم ولزم لا يملك ولا يملّك ولا يعار ولا

یرھن."(الدر المختار،ص:370،کتاب الوقف دار الکتب العلمیۃ،بیروت)

ترجمہ: پس جب (وقف) تام ولازم ہو جائے تو نہ وہ کسی کی ملکیت میں رہتا ہے، نہ کسی کی ملکیت میں دیا جا سکتا ہے، نہ اسے ادھار دیا جا سکتا ہے اور نہ گروی رکھا جا سکتا ہے۔

ہاں اگر مجبوری کی کوئی ایسی حالت در پیش ہو جائے کہ زمین جس غرض کے لیے وقف ہے اس غرض میں وہ استعمال نہ ہو سکے، اور یہ مجبوری درجۂ اضطرار میں پہنچ جائے کہ غرض وقف کے لیے زمین سے انتفاع ممکن نہ رہ جائے تو اسے بیچنے کی اجازت ہوتی ہے، جیسا کہ امام ابن الہمام کمال الدین حنفی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فتح القدیر میں اور امام احمد رضا قدس سرہ نے فتاوی رضویہ، رسالہ: التحریر الجید میں اس کی پوری تحقیق فرمائی ہے۔ مگر ابھی اس زمین سے انتفاع ناممکن نہیں ہوا ہے، اور مجبوری درجۂ اضطرار کو نہیں پہنچی ہے، ہاں مشکل و دشوار ضرور ہے، اس لیے اسے بیچنے کی اجازت نہیں، بلکہ مناسب تدابیر سے وہاں تعمیرات کی اجازت حاصل کرنے کی کوشش کریں "مشکلے نیست کہ آسان نہ شود" مناسب تدابیر اور کوششوں سے مشکلات حل ہو جاتی ہیں، پہلے ہی سے ناکامی کا فیصلہ کر لینا اچھی بات نہیں، اس لیے ذمہ داران ہمت بلند رکھیں اور کامیابی کے لیے پیش رفت کریں کہ ممکن حد تک وقف کی حفاظت کا حکم ہے، ارشاد باری ہے:

وَمَن يَتَّقِ اللّٰهَ يَجۡعَلۡ لَّهٗ مَخۡرَجًا.

(القرآن الحکیم سورۃ الطلاق:25،الآیۃ:2)

ترجمہ: اور جو اللہ سے ڈرے اللہ اس کے لیے نجات کی راہ نکال دے گا۔ (کنز الایمان)

نیز ارشاد باری ہے:

فَإِنَّ مَعَ الۡعُسۡرِ يُسۡرًا إِنَّ مَعَ الۡعُسۡرِ يُسۡرًا.

(القرآن الحکیم، سورۃ الشرح:94،الآیۃ:5،6)

ترجمہ: تو بے شک دشواری کے ساتھ آسانی ہے۔ بے شک دشواری کے ساتھ آسانی ہے۔ (کنز الایمان)

اور مدرسہ کے لیے زمین کہاں خریدنی چاہیے اس کے لیے اصحاب الرائے پہلے اچھی طرح غور کر لیں اور تمام امور پر نگاہ رکھتے ہوئے کسی زمین کی خریداری کا فیصلہ کریں، اگر یہ کام باہمی مشاورت سے ہو تو ان شاء اللہ آج جن مشکلات اور دشواریوں کا سامنا ہے، آئندہ نہ ہوگا۔ کوئی بھی شخص اپنی مرضی سے ایسا کوئی اقدام نہ کرے جو وقف کی بربادی کا سبب بنے کہ اس طرح کا اقدام تعدی اور باعث ضمان ہوتا ہے۔

ارشاد باری ہے: وَشَاوِرۡهُمۡ فِي الۡأَمۡرِ.

(القرآن الحکیم سورۃ آل عمران:3،الآیۃ:159)

ترجمہ: اور کاموں میں ان سے مشورہ لو۔ (کنز الایمان)

نیز ارشاد ہے: وَأَمۡرُهُمۡ شُوۡرٰى بَيۡنَهُمۡ.

(القرآن الحکیم، سورۃ الشوری:42،الآیۃ:38)

ترجمہ: اور ان کا کام ان کے آپس کے مشورے سے ہے۔ (کنز الایمان) واللہ تعالیٰ اعلم

## سی پیپ مشین کا استعمال

**سوال:** روزہ کی حالت میں سی پیپ مشین کا استعمال کرنا کیسا ہے؟

**الجواب:** ہم نے سی پیپ (cpap) مشین کے بارے میں معلومات حاصل کیں۔ یہ مشین نمی پیدا کرنے والا نظام (humidifier) اور سادہ نظام (without humidifier) دونوں کے ساتھ مارکیٹ میں دستیاب ہے۔

بغیر humidifier نظام والے مشین کا استعمال جائز و درست ہے۔ اس کے استعمال سے روزہ فاسد نہیں ہوگا۔

اور humidifier نظام والے سی پیپ مشین میں اگر واٹر چیمبر (water chamber) میں واٹر (water) کا استعمال نہ کیا جائے تو اس کے استعمال سے بھی روزہ فاسد نہیں ہوگا۔

ہاں اگر مجبوری کی صورت میں روزہ دار نے humidifier نظام والے آلہ کا استعمال کر دیا تو روزہ ٹوٹ جائے گا، کہ دیر تک استعمال کرنے کی وجہ سے یہ نمی پانی کی شکل اختیار کر لے گی۔ البتہ عذر شدید ہو تو اس کے استعمال سے کفارہ لازم نہ ہوگا صرف قضا لازم ہوگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم ◘◘◘

**فکر امروز**

# زہر میں گھلتی حیات

## ماحولیاتی چیلنجز اور بقا کی جنگ

**مفتی ڈاکٹر محمد سبطین رضا مرتضوی**

فضا میں تحلیل ہوتا زہر جو ہمارے پھیپھڑوں میں سست روی سے موت اتار رہا ہے، پانی میں گھلتا مٹیالا پن جو زندگی کے سرچشموں کو ہی خشک کر رہا ہے اور جنگلوں کی ویرانی جو دھرتی کے سبز لباس کو تار تار کر رہی ہے... یہ سب محض الفاظ نہیں، بلکہ اس دھرتی کا گہرا کرب ہے جو صدیوں سے ہماری آماجگاہ رہی ہے۔ یہ وہی دھرتی ہے جس کے سینے سے پھوٹتے شفاف چشموں نے نسلوں کی پیاس بجھائی، جس کے زرخیز دامن میں پنپتی حیات نے ہمیں سانس لینے کی مہلت دی اور جس کی گود میں انسانیت نے تہذیب کے چراغ روشن کیے۔ آج یہی خوبصورت کرۂ ارض ماحولیاتی خطرات کے بھنور میں پھنس چکا ہے، جو محض سائنسی اصطلاحات کا گورکھ دھندا نہیں، بلکہ ایک ایسی روح فرسا حقیقت ہے جو ہماری سانسوں کو بھی اجنبی بنا رہی ہے اور ہمارے مستقبل پر سیاہ بادلوں کی طرح منڈلا رہی ہے۔ ہم آج ایک ایسے سنگین موڑ پر کھڑے ہیں جہاں قدرت کا بے مثال حسن انسان کی بے فکری، ہوس کی بھوک، اور نام نہاد ترقی کی قربان گاہ پر اپنی موت آپ مر رہا ہے۔ زمین کا ہر گوشہ، فضا کا ہر ذرہ، اور پانی کا ہر قطرہ گویا انسان کی بے حسی اور غفلت پر نوحہ کناں ہے۔

### ترقی کا زہر اور فضائی آلودگی کا عفریت:

یہ کہانی اس وقت شروع ہوئی جب انسان نے ترقی کی راہ پر پہلا قدم رکھا۔ صنعتی انقلاب کی چکا چوند روشنی جس نے ہر گلی کو دھوئیں سے بھر دیا اور منافع کی دوڑ میں اخلاقی اقدار کو پس پشت ڈالا۔ اور قدرتی وسائل کا اندھا دھند، بے رحمانہ استعمال ان سب نے مل کر ایک ایسا عفریت جنم دیا جس کا نام ماحولیاتی آلودگی ہے۔ فیکٹریوں کی چمنیوں سے اگلتا دھواں جو بادلوں کو بھی شرما دے، جو فضا میں ایک گھنی اور زہریلی چادر کی صورت چھا جائے اور سورج کی زندگی بخش کرنوں کو دھرتی تک پہنچنے نہ دے، جس سے سورج کی شفاف روشنی بھی مٹیالی لگنے لگے۔ شہروں میں ٹریفک کا زہر آلود غبار جو سانسوں کی نالیوں میں سکون کے بجائے گھٹن بھر دے اور ہنستے کھیلتے چہروں پر وقت سے پہلے بیماریوں کی لکیریں کھینچ دے، اور کھیتوں میں کیمیائی کھادوں کا بے دریغ استعمال جو مٹی کے زرخیز پن کو فنا کر دے، اسے بنجر و بے روح بنا دے... یہ سب مل کر ہماری فضا کو اس قدر مسموم کر چکے ہیں کہ اب سانس لینا بھی ایک چیلنج بن چکا ہے۔ زندگی کی یہ بنیادی ضرورت جو کبھی فطری اور بلا قیمت تھی آج ایک مہنگی نعمت بن کر رہ گئی ہے، جسے ہم فلٹرز اور ایئر پیوریفائر کے ذریعے خریدنے پر مجبور ہیں۔

فضائی آلودگی نہ صرف پھیپھڑوں کے امراض، دمہ، الرجی، اور کینسر جیسے موذی امراض کو دعوت دے رہی ہے، بلکہ انسانی زندگی کے معیار کو بھی پست کر رہی ہے۔ اس کا سب سے خوفناک نتیجہ عالمی حدت (Global Warming) کی صورت میں سامنے آرہا ہے۔ گلیشیر پگھل رہے ہیں جیسے دھرتی کے آنسو بہہ رہے ہوں، ان کا پگھلنا سمندروں میں پانی کا طوفان برپا کر رہا ہے، سمندروں کی سطح بے تحاشا بلند ہو رہی ہے اور دنیا کے خوبصورت جزیرے جہاں کبھی زندگی رقص کرتی تھی اب ہستی سے مٹتے جا رہے ہیں۔ موسمیاتی تبدیلیاں اپنی تباہ کاریاں دکھا رہی ہیں کبھی



ایڈیٹر سہ ماہی صدائے مناظر اہلسنت، دھامی گچھ، سوناپور اتر دیناج پور، بنگال- sibtainraza160@gmail.com

خشک سالی اپنا پنجہ گاڑلیتی ہے اور زمین کو بنجر بنا کر رزق کی فراہمی میں رکاوٹ بنتی ہے تو کبھی غیر متوقع اور شدید سیلاب بستیاں بہا لے جاتے ہیں، کھیتوں کو ویران کر دیتے ہیں اور زندگیاں اجاڑ دیتے ہیں۔ کبھی شدید طوفان اور سمندری لہریں ساحلوں کو روند ڈالتی ہیں اور کبھی غیر متوقع موسم کاشتکاروں کے خواب روند ڈالتے ہیں، ان کی محنت پر پانی پھیر دیتے ہیں۔ یہ سب ہمارے ہی اعمال کا نتیجہ ہے، جس کے تباہ کن اثرات سے بچنا اب محال ہوتا جارہا ہے۔ ہر روز نئے چیلنجز سر اٹھا رہے ہیں جو ہمیں اس بات کا احساس دلاتے ہیں کہ فطرت سے ہمارا تصادم کس قدر مہنگا پڑ رہا ہے۔

**آبِ حیات کا ماتم اور زمین کا زخم:**

پانی زندگی کا دوسرا نام ہے، جو ندیوں میں شفاف دھارے کی صورت بہتا ہے، چشموں سے پھوٹتا ہے اور سمندروں میں گہرائی پاتا ہے وہ بھی آج خطرے میں ہے۔ شہروں کا گندا پانی جس میں ہر طرح کا فضلہ، گٹر کا پانی اور ناقابل تحلیل کیمیکلز شامل ہیں؛ صنعتی فضلہ جو انتہائی زہریلے کیمیکلز اور بھاری دھاتوں سے بھرا ہوتا ہے، جسے بے رحمی سے آبی ذخائر میں بہا دیا جاتا ہے اور زرعی کیمیائی مواد جو فصلوں کو سنوارنے کی بجائے پانی کو زہر آلود کر دیتا ہے اور اسے پینے کے ناقابل بنا دیتا ہے... یہ سب ندیوں، جھیلوں اور سمندروں میں بلا جھجک بہا دیا جاتا ہے، گویا ہم اپنی ہی زندگی کے سرچشموں میں زہر گھول رہے ہیں۔ مچھلیاں مر رہی ہیں اور ان کے مردہ اجسام پانی کی سطح پر تیرتے ہیں، آبی نباتات تباہ ہو رہی ہیں اور مرجان کی چٹانیں جو سمندروں کی خوبصورتی، حیاتیاتی تنوع کا گڑھ اور ہزاروں جانداروں کی پناہ گاہ تھیں، وہ اپنا رنگ کھو رہی ہیں اور ویران ہو چکی ہیں، سمندروں کی گہرائیوں میں ایک ماتم کا سماں ہے۔ اس آلودگی نے انسانی صحت کے لیے بھی سنگین خطرات پیدا کیے ہیں۔ آلودہ پانی سے ہیضہ، ٹائیفائیڈ، یرقان اور دیگر بیماریاں تیزی سے پھیل رہی ہیں، جو ہزاروں زندگیاں نگل لیتی ہیں اور صحت کے نظام پر بوجھ بڑھا دیتی ہیں۔ صاف پانی کی دستیابی ایک خواب بنتی جارہی ہے، دور دراز گاؤں میں عورتیں اور بچے کوسوں دور سے آلودہ یا مشکل سے میسر پانی لانے پر مجبور ہیں، اور زیرِ زمین پانی کی سطح میں مسلسل کمی آ رہی ہے۔ کہیں بورویل خشک ہو رہے ہیں تو کہیں زمینی پانی میں زہریلے مادے اس قدر گھل گئے ہیں کہ وہ پینے کے قابل نہیں رہا۔ صحراؤں کا بڑھتا دامن، جو زرخیز زمینوں کو نگل رہا ہے اور انھیں بنجر بنا رہا ہے، اور زرعی زمینوں کی بے رحمانہ کٹائی اور تجاوزات ایک اور سنگین مسئلہ ہے جسے زمین کا انحطاط (Land Degradation) کہا جاتا ہے۔ جنگلات جو دھرتی کے پھیپھڑے سمجھے جاتے ہیں، جو آکسیجن فراہم کرتے ہیں، کاربن ڈائی آکسائیڈ جذب کرتے ہیں، بارشوں کا سبب بنتے ہیں اور ماحول کو معتدل رکھتے ہیں، انھیں بے رحمی سے کاٹا جارہا ہے۔ ان کی جگہ کنکریٹ کے جنگل اگائے جا رہے ہیں، رہائشی کالونیاں بسائی جا رہی ہیں، یا انھیں سڑکوں اور دیگر انفراسٹرکچر کے منصوبوں کی بھینٹ چڑھایا جارہا ہے۔ یہ سب کچھ تعمیرات اور انسانی ہوس کی بھینٹ چڑھ رہا ہے، جس سے نہ صرف حیاتیاتی تنوع (Biodiversity) کو ناقابل تلافی نقصان پہنچ رہا ہے بلکہ مٹی کا کٹاؤ بھی بڑھ رہا ہے اور آب و ہوا پر بھی منفی اثرات مرتب ہو رہے ہیں۔ کتنے ہی جاندار اپنی پناہ گاہیں کھو کر ناپید ہو چکے ہیں، ان کی نسلیں ہمیشہ کے لیے مٹ چکی ہیں اور ان کا وجود صرف کتابوں میں رہ گیا ہے، اور کتنے ہی ناپید ہونے کے دہانے پر ہیں، ان کی خاموش چیخیں فضا میں گونج رہی ہیں جنھیں سننے والا کوئی نہیں۔ ہر کٹتا درخت، ہر خشک ہوتا چشمہ، اور ہر ناپید ہوتا جاندار، گویا دھرتی کا ایک زخم ہے جو گہرا ہوتا جارہا ہے، اور ہمیں احساس تک نہیں ہوتا کہ ہم اپنے ہی گھر کو کیسے تباہ کر رہے ہیں۔

**پلاسٹک اور دیگر خاموش آلودگیاں:**

پلاسٹک جو آج ہماری زندگی کا لازمی حصہ بن چکا ہے، جو

آسانی اور سہولت کا فریب دیتا ہے مگر در حقیقت ایک گہرا زخم ہے، وہ بھی کچرے کا انبار بن کر ماحولیات کے لیے ایک بہت بڑا خطرہ ہے۔ یہ ایک ایسا بھوت ہے جو برسوں تک ختم نہیں ہوتا، زمین میں دبایا جائے تو بھی تحلیل نہیں ہوتا، اور سمندروں میں جا کر آبی حیات کے لیے تباہ کن ثابت ہو رہا ہے۔ مچھلیاں اور دیگر آبی جاندار اسے غذا سمجھ کر نگل لیتے ہیں، جو ان کی موت کا سبب بنتا ہے اور یوں سمندروں میں زندگی کے بجائے موت کا راج ہوتا جا رہا ہے۔ پلاسٹک کے چھوٹے ذرات جسے مائیکرو پلاسٹکس کہتے ہیں، اب ہماری غذا اور پانی میں بھی شامل ہو چکے ہیں اور یوں ایک خاموش زہر ہمارے جسم میں بھی داخل ہو رہا ہے۔ اس کے علاوہ شور کی آلودگی (Noise Pollution) جو ہمارے شہروں میں ہر وقت موجود رہتی ہے، گاڑیوں کا بے ہنگم شور، مشینوں کی گھن گرج، تعمیراتی کاموں کی آوازیں اور لاؤڈ اسپیکر کی آوازیں، انسانوں اور جانوروں دونوں کی صحت پر منفی اثرات مرتب کر رہی ہے۔ اس سے نہ صرف سماعت متاثر ہوتی ہے بلکہ ذہنی دباؤ، نیند کی کمی، چڑچڑاپن، اور دل کے امراض بھی پیدا ہوتے ہیں۔ پرندے اور جانور اپنے قدرتی ماحول میں سکون نہیں پاتے، اور ان کا طرز زندگی متاثر ہوتا ہے۔ یہ شور ہمارے اندرونی سکون کو بھی چھین رہا ہے اور ہماری روحوں میں بے چینی بھر رہا ہے۔ اس کے علاوہ روشنی کی آلودگی (Light Pollution)، جو رات کے وقت شہروں کی بے تحاشا مصنوعی روشنیوں سے پیدا ہوتی ہے، نہ صرف تاریک آسمان کے حسن کو چھین لیتی ہے اور ستاروں کے نظارے کو ناممکن بنا دیتی ہے بلکہ رات کے وقت کے جانداروں کی زندگی پر بھی منفی اثر ڈالتی ہے، ان کے قدرتی طرز زندگی کو متاثر کرتی ہے۔ یہ ایک ایسی آلودگی ہے جسے اکثر نظر انداز کیا جاتا ہے مگر اس کے اثرات گہرے ہیں۔

## نجات کا راستہ اور امید کی شمع:

کیا ہم نے کبھی غور کیا کہ آج ہمیں درپیش بیماریاں، قدرتی آفات، اور وسائل کی کمیابی جیسے تمام خطرات ہمارے اپنے وجود کو کیسے کھوکھلا کر رہے ہیں؟ یہ سب کچھ آج ہمارے دروازے پر دستک دے رہا ہے، اور ہم محض تماشائی بنے بیٹھے ہیں۔ کیا ہم نے مکمل طور پر ہار مان لی ہے؟ کیا دھرتی کا یہ نوحہ کبھی نہیں تھمنے والا؟ کیا زہر میں گھلتی حیات کا یہ سلسلہ ہمیشہ یوں ہی چلنے والا؟

———— نہیں! ہرگز نہیں، امید کی کرن ابھی باقی ہے، یہ دھرتی ابھی مکمل طور پر ماتم کناں نہیں ہوئی، ابھی بھی اس میں سانس لینے کی طاقت ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم اپنی انفرادی اور اجتماعی ذمہ داری کو سمجھیں، خواب غفلت سے جاگیں اور اپنی اس کرۂ ارض کو بچانے کی جدوجہد کریں، یہ محض سائنس دانوں یا حکومتوں کا کام نہیں بلکہ ہر فرد کی ذمہ داری ہے۔

یہیں سے اسلام کی عالمی اور ہمہ گیر تعلیمات کی اہمیت ابھر کر سامنے آتی ہے، جو نہ صرف انسانوں کے حقوق کی بات کرتا ہے بلکہ تمام مخلوقات اور ماحول کے تحفظ کی بھی تلقین کرتا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ماحول کے تحفظ اور قدرتی وسائل کے درست استعمال کے بارے میں جو تعلیمات دیں، وہ آج بھی ہمارے لیے مشعل راہ ہیں۔ ذیل میں اسلامی تعلیمات کے چند اہم پہلوؤں کا جائزہ پیش کیا گیا ہے جو ہمیں اس مشترکہ چیلنج سے نمٹنے کے لیے رہنمائی کرتا ہے۔

**صفائی اور پاکیزگی۔ نصف ایمان کا تقاضا:** اسلام نے صفائی پر بے حد زور دیا ہے اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "پاکی آدھا ایمان ہے"۔ [مسلم، کتاب الطہارۃ، رقم الحدیث: ۵۳۴] اس حدیث کا ماحولیاتی تناظر یہ ہے کہ ایمان کا تقاضا ہے کہ ہم نہ صرف اپنی جسمانی اور روحانی پاکیزگی کا خیال رکھیں بلکہ اپنے گرد و پیش یعنی اپنے ماحول کو بھی صاف ستھرا رکھیں۔ اگر ہوا آلودہ ہو، پانی گدلا ہو اور زمین کچرے سے بھری ہو تو یہ ہماری مجموعی پاکیزگی کے خلاف ہے۔ یہ حدیث ہمیں صاف ستھرے ماحول کی فضیلت اور اہمیت کا احساس دلاتی ہے۔

**درخت لگانا اور ماحولیاتی توازن – صدقہ جاریہ:** نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے درخت لگانے کی عظیم فضیلت بیان فرمائی اور اسے محض نیک عمل نہیں بلکہ صدقہ جاریہ قرار دیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جو مسلمان کوئی درخت لگائے یا کھیتی بوئے، پھر اس میں سے پرندہ، انسان یا چوپایہ کھائے تو وہ اس کے لیے صدقہ ہوگا“۔[بخاری، کتاب المزارعۃ، رقم الحدیث: 2320]

یہ حدیث ہمیں نہ صرف عمل پر اجر کی بشارت دیتی ہے بلکہ یہ بھی واضح کرتی ہے کہ نباتاتی زندگی کا فروغ کس قدر وسیع فیض کا ذریعہ ہے۔ درخت محض پھل اور سایہ نہیں دیتے بلکہ ان سے پرندے انسان اور جانور سب مستفید ہوتے ہیں، اور یہ سلسلہ اس مسلمان کے لیے اجر کا باعث بنتا رہتا ہے جس نے اسے لگایا۔ اس فضیلت کی گہرائی کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انتہائی مشکل حالات میں بھی درخت لگانے کی ترغیب دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جب قیامت قائم ہو رہی ہو اور تم میں سے کسی کے ہاتھ میں کھجور کا چھوٹا پودا ہو تو اگر وہ اسے لگانے کی طاقت رکھتا ہو تو اسے لگا دے“۔[الادب المفرد، باب اصطناع المال، رقم الحدیث: 479]

اور ایک دوسری روایت میں اس کی مزید وضاحت ملتی ہے: ”اگر تم سن لو کہ دجال نکل چکا ہے اور قیامت کے دوسرے سب آثار و علامات نمایاں ہو چکے ہو اور تم کوئی نرم و نازک پودا زمین میں بٹھانا اور لگانا چاہتے ہو تو لگا دو اور اس کی دیکھ بھال اور نشو و نما کے انتظامات میں سستی نہ کرو، کیوں کہ وہ بہر حال زندگی کے گزران کے لیے ایک ضروری کوشش ہے“۔

[مرجع سابق، رقم الحدیث: 480]

یہ احادیث ہمیں ماحولیاتی توازن اور نباتاتی زندگی کی بقا کی جانب ایک واضح اشارہ دیتی ہیں۔ یہ ہمیں بتاتی ہیں کہ ہر حال میں، یہاں تک کہ انتہائی ناموافق حالات میں بھی ماحولیاتی بہتری کی کوشش ترک نہیں کرنی چاہیے۔ درخت فضا کو صاف رکھتے ہیں، آکسیجن فراہم کرتے ہیں جو تمام جانداروں کے لیے لازم ہے، مٹی کے کٹاؤ کو روکتے ہیں جس سے زمین کی زرخیزی برقرار رہتی ہے اور بارش کا سبب بنتے ہیں جو پانی کے قدرتی چکر کے لیے ضروری ہے۔ یہ تمام فوائد اس بات کا ثبوت ہیں کہ درخت لگانا ایک بنیادی ماحولیاتی ذمہ داری ہے اور یہ نہ صرف ہماری موجودہ نسلوں کے لیے بلکہ آنے والی نسلوں کے لیے بھی ایک پائیدار اور بہتر ماحول کی بنیاد فراہم کرتا ہے۔

**پانی کا درست استعمال اور تحفظ – زندگی کی اساس:**

اسلام میں پانی کو زندگی کی اساس قرار دیا گیا ہے، جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے: ”اور ہم نے ہر جاندار چیز کو پانی سے پیدا کیا۔ [الانبیاء: 30] اس آیت سے پانی کی بنیادی اہمیت واضح ہوتی ہے جو نہ صرف انسانی حیات بلکہ تمام مخلوقات کے لیے لازم ہے، اسی اہمیت کے پیش نظر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی کے ضیاع اور آلودگی سے سختی سے منع فرمایا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی کے درست استعمال کی ترغیب خود اپنے عمل سے دی، آپ نے وضو جیسے ایک اہم عبادتی عمل میں بھی پانی کم استعمال کرنے کی ہدایت فرمائی۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ”نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک مد پانی سے وضو اور ایک صاع پانی سے غسل کیا کرتے“۔[ابن ماجہ، کتاب الطہارۃ، رقم الحدیث: 269]

یہ حدیث ہمیں ہر حال میں پانی کی بچت کا درس دیتی ہے، اس سے یہ سبق ملتا ہے کہ پانی ایک قیمتی امانت ہے جسے ہر صورت میں بچانا چاہیے۔ مزید برآں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی کے قدرتی ذخائر کو آلودہ کرنے سے بھی سختی سے منع فرمایا: ”تم میں سے کوئی بھی ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب نہ کرے پھر اس میں غسل کرے“۔[مسلم، کتاب الطہارۃ، رقم الحدیث: ۶۵۷]

اس حدیث کا واضح مطلب یہ ہے کہ پانی کے قدرتی ذخائر کو گندا کرنا ممنوع ہے تاکہ وہ تمام مخلوقات کے لیے قابل استعمال رہیں۔ آج کے صنعتی اور شہری دور میں فضلہ پانی میں بہانا اس حکم کی

شدید خلاف ورزی ہے اور اس سے نہ صرف انسانی صحت بلکہ ماحولیاتی نظام بھی شدید متاثر ہوتا ہے۔ اسلام کی یہ تعلیمات ہمیں پانی کے تحفظ اور اس کے ذمہ دارانہ استعمال کی پائیدار بنیاد فراہم کرتی ہیں تاکہ ہم اس نعمت کو آنے والی نسلوں کے لیے بھی محفوظ رکھ سکیں۔

**فضول خرچی سے اجتناب اور وسائل کا حسن انتظام:** اسلام میں اسراف (فضول خرچی) اور تبذیر (مال کو ضائع کرنا) سے منع کیا گیا ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے: "کھاؤ اور پیو اور حد سے تجاوز نہ کرو، بے شک وہ حد سے تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا"۔ [الاعراف: 31] یہ آیت واضح طور پر اس بات پر زور دیتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے فائدہ اٹھایا جائے، لیکن حد سے تجاوز نہ کیا جائے۔ یہ حکم محض کھانے پینے تک محدود نہیں بلکہ ہر قسم کے وسائل خواہ وہ پانی ہو، بجلی ہو، مال ہو یا کوئی بھی قدرتی نعمت کے استعمال میں اعتدال اور ذمہ داری کا تقاضا کرتا ہے۔ اسلام کا بنیادی فلسفہ یہ ہے کہ انسان ان وسائل کا مالک نہیں بلکہ ان کا امین ہے اور اسے ان کا حساب دینا ہوگا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اسراف سے بچنے کی بارہا تاکید فرمائی۔ اس کی ایک واضح مثال وہ واقعہ ہے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرے جو وضو کر رہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "یہ کیسا اسراف ہے؟ حضرت سعد نے پوچھا: کیا وضو میں بھی اسراف ہوتا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں، اگرچہ تم بہتی نہر کے کنارے ہی کیوں نہ بیٹھے ہو"۔ [ابن ماجہ، کتاب الطہارۃ، رقم الحدیث: 425]

یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ اسلام میں وسائل کے استعمال میں کفایت شعاری اتنی اہمیت رکھتی ہے حتیٰ کہ عبادت جیسے نیک عمل میں بھی اسراف سے منع کیا گیا ہے، چاہے وسائل کی بظاہر فراوانی ہی کیوں نہ ہو۔ اسراف بالآخر وسائل کی کمی اور معاشرتی محتاجی کا سبب بنتا ہے۔ نیز ایک حدیث پاک کا جز ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو شخص میانہ روی اختیار کرے، اللہ اسے غنی کر دیتا ہے، اور جو فضول خرچی کرے، اللہ اسے محتاج کر دیتا ہے"۔

[جہنم میں لے جانے والے اعمال، ج:۱، ص:259]

یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اسراف نہ صرف انفرادی طور پر انسان کو مالی مشکلات میں ڈالتا ہے بلکہ یہ اللہ کی رضا کے بھی خلاف ہے۔

آج کے دور میں، اسراف اور تبذیر کی ایک واضح مثال پلاسٹک کا بے تحاشا استعمال ہے۔ پلاسٹک کی چیزوں کو ایک بار استعمال کرنے کے بعد بے دردی سے پھینک دینا اور پھر ان کا ہزاروں سال تک ماحول میں موجود رہنا، یہ سب وسائل کا اسراف اور فضلہ کا تبذیر ہے۔ یہ عمل نہ صرف ہمارے قدرتی ماحول کو آلودہ کرتا ہے بلکہ قیمتی وسائل کو بھی ضائع کرتا ہے۔ اسی طرح بجلی کا بے جا استعمال، ضرورت سے زیادہ سامان خریدنا، اور خوراک کا ضیاع بھی اسراف کی ہی مختلف شکلیں ہیں۔ اسلامی تعلیمات ہمیں یہ درس دیتی ہیں کہ ہمیں ہر چیز کا ذمہ دارانہ استعمال کرنا چاہیے۔ جو چیز قابل استعمال ہے اسے استعمال کریں، جو قابل مرمت ہے اسے ٹھیک کریں، اور جو قابل ری سائیکل ہے اسے ری سائیکل کریں۔

**دوسروں کو تکلیف نہ دینا۔حسن اخلاق کا تقاضا:** اسلام حسن اخلاق، حقوق العباد اور معاشرتی امن و سکون پر بھی گہرا زور دیتا ہے۔ اس کا بنیادی اصول یہ ہے کہ مسلمانوں کو دوسروں کے لیے آسانی پیدا کرنی چاہیے اور کسی بھی طریقے سے انھیں تکلیف نہیں دینی چاہیے۔ یہ اصول ماحولیاتی سیاق و سباق میں بھی انتہائی اہمیت کا حامل ہے، خاص طور پر شور اور روشنی کی آلودگی جیسے جدید مسائل کے حوالے سے۔ شور کی آلودگی اگرچہ براہ راست کسی حدیث میں مذکور نہیں، تاہم اسلام کے عمومی اخلاقی اصول اسے ممنوع قرار دیتے ہیں۔ بے جا اور غیر ضروری شور دوسروں کے

لیے جسمانی اور ذہنی تکلیف کا باعث بنتا ہے، جو کہ انسانی صحت اور سکون کے منافی ہے۔ اسلام نے ایسی ہر چیز سے منع کیا ہے جو لوگوں کی راحت میں خلل ڈالے یا انھیں پریشان کرے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے لغو اور بے ہودہ باتوں سے اجتناب کا حکم دیا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”خطبہ میں اختصار کرو اور بے ہودہ باتوں کو چھوڑ دو“۔[مسلم، کتاب الجمعہ، رقم الحدیث:2009]

یہ حکم عام ہے اور اس میں ہر وہ چیز شامل ہے جو معاشرے میں بے سکونی، اضطراب یا الجھن کا باعث بنے خواہ وہ زبان سے نکلی ہوئی بات ہو یا کسی قسم کا شور۔ اسی طرح روشنی کی آلودگی بھی اس ضمن میں آتی ہے۔ رات کے وقت ضرورت سے زیادہ اور بے جا روشنی کا استعمال نہ صرف قدرتی تاریکی کو ختم کرتا ہے بلکہ انسانوں اور جانوروں کے قدرتی طرز زندگی کو بھی متاثر کرتا ہے۔ یہ نیند میں خلل ڈالتا ہے اور پرندوں و حشرات کی ہجرت اور رہن سہن میں رکاوٹ کا سبب بنتا ہے۔ اگرچہ یہ مسئلہ جدید دور کی پیداوار ہے، تاہم اسلامی تعلیمات کا بنیادی مقصد ہر اس عمل سے بچنا ہے جو مخلوق خدا کے لیے نقصان دہ ہو یا ان کی فطری حالت کو بگاڑے۔ ان تمام پہلوؤں سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اسلام صرف انفرادی پاکیزگی اور تزکیۂ نفس پر ہی زور نہیں دیتا، بلکہ ایک صحت مند، پرامن اور متوازن معاشرے کے قیام کی بھی ترغیب دیتا ہے۔ دوسروں کو تکلیف نہ دینا صرف اخلاقی ذمہ داری نہیں بلکہ حقوق العباد کا اہم حصہ ہے، جس کا تعلق ماحولیاتی سکون اور پائیداری سے بھی جڑا ہوا ہے۔ ہمیں چاہیے کہ اپنی روزمرہ کی زندگی میں ایسے تمام افعال سے گریز کریں جو ہمارے اردگرد کے ماحول اور دیگر مخلوقات کے لیے بے سکونی کا باعث بنیں۔

**عملی اقدامات:**

آج اور کل کے لیے اب وقت آگیا ہے کہ ہم ان اسلامی تعلیمات کو عملی جامہ پہنائیں۔ ہمیں درخت لگانے چاہئیں، ہر سال لاکھوں کی تعداد میں پودے لگائے جائیں تاکہ دھرتی کے پھیپھڑے دوبارہ سانس لے سکیں۔ پانی کی ہر بوند کو قیمتی سمجھیں، اسے بچائیں اور اس کے استعمال میں احتیاط برتیں۔ بجلی کا کم استعمال کریں اور قابل تجدید توانائی (جیسے شمسی توانائی اور ہوا کی توانائی) کی طرف رخ کریں تاکہ فوسل فیولز پر انحصار کم ہو۔ پلاسٹک سے پرہیز کریں، متبادل اشیا جیسے کپڑے کے تھیلے اور دوبارہ استعمال ہونے والے برتنوں کو اپنائیں۔ کچرے کو ٹھکانے لگانے کے صحیح طریقے اپنائیں اور ری سائیکلنگ کو فروغ دیں۔ حکومتوں کو چاہیے کہ وہ سخت ماحولیاتی قوانین بنائیں، ان پر سختی سے عمل درآمد یقینی بنائیں اور ماحول دوست منصوبوں کی بھرپور حوصلہ افزائی کریں۔ صنعتوں کو چاہیے کہ وہ منافع کی دوڑ میں ماحول کو قربان نہ کریں بلکہ ماحول دوست ٹیکنالوجیز اور طریقوں کو اپنائیں اور آلودگی پر قابو پائیں۔ تعلیم کے ذریعے لوگوں میں شعور بیدار کیا جائے، بچوں کو ماحولیاتی تحفظ کی اہمیت سکھائی جائے تاکہ وہ مستقبل میں اس دھرتی کے سچے محافظ بن سکیں اور ایک بہتر کل کی بنیاد رکھیں۔ میڈیا کو چاہیے کہ وہ ان مسائل کو اجاگر کرے اور عوام میں بیداری پیدا کرے۔

یہ دھرتی ہمارا گھر ہے، ہماری پناہ گاہ اور ہماری آنے والی نسلوں کا مستقبل۔ اس کا تحفظ ہمارا اولین فرض ہے، اگر ہم نے آج اپنی آنکھیں بند کرلیں، اگر ہم آج بھی بے حس رہے، اگر ہم نے آج بھی عملی اقدامات نہ اٹھائے، تو آنے والی نسلیں ہمیں کبھی معاف نہیں کریں گی۔ ان کا مستقبل تاریک ہوجائے گا، اور ہم اس کے ذمہ دار ہوں گے۔ وقت آگیا ہے کہ ہم قدرت کے ساتھ ہم آہنگی پیدا کریں، اس کے اشاروں کو سمجھیں اور اس کے ساتھ مل کر چلیں، کیونکہ اس کے بغیر نہ تو ہماری بقا ہے اور نہ ہی ہماری آنے والی نسلوں کا کوئی روشن اور محفوظ مستقبل۔ آئیے زہر میں گھلتی اس حیات کو ایک بار پھر سانس لینے کا موقع دیں، اس دھرتی کے نوحے کو ایک خوشگوار نغمے میں بدلنے کا عزم کریں، ایک ایسا نغمہ جو زندگی، حسن اور پائیداری کا لافانی ترانہ ہو۔ ■■■

شعاعیں

# ”حدیث: لو لاک لما خلقت الافلاک“ کی حقیقت و حیثیت

مولانا طفیل احمد مصباحی

”لو لاك لما خلقت الافلاك“ بطورِ حدیث کافی مشہور ہے، لیکن بعض محدثین نے اس پر کلام کیا ہے اور کہا ہے کہ ان الفاظ کے ساتھ محدثین کے نزدیک یہ حدیث ثابت نہیں۔ ہاں! سند الفقہاء و المحدثین حضرت ملا علی قاری حنفی رحمۃ اللہ علیہ و دیگر محدثین نے اس حدیث کو معنی کے اعتبار سے درست قرار دیا ہے اور اس حوالے سے حضرت ابن عباس، حضرت عمر اور حضرت سلمان رضی اللہ عنہم سے مرفوع روایات اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کا ایک اثر بھی پیش کیا ہے۔ ملا علی قاری کے الفاظ یہ ہیں:

حديث : لَوْلاكَ لَما خَلَقتُ الأفلاك . قال الصغانى : إنه موضوع، كذا فى الخلاصة، لكن معناه صحيح، فقد روى الديلمى عن ابن عباس رضي الله عنهما مرفوعاً : أتانى جبريل فقال : يا مُحَمَّد لولاك ما خُلِقَتِ الجَنَّةُ و لَوْلاكَ ما خُلِقَتِ النار وفي رواية ابن عساكر: لَوْلاكَ ما خُلِقَتِ الدُّنيا. (الاسرار المرفوعة فى الاخبار الموضوعة، ص: 288، مطبوعه: المكتب الاسلامى، بيروت)

ترجمہ: زیرِ نظر حدیث ”لولاك لما خلقت الأفلاك“ کے متعلق امام صغانی کی رائے ہے کہ یہ موضوع ہے، جیسا کہ ”خلاصہ“ میں ہے، لیکن یہ حدیث معنیٰ کے اعتبار سے درست ہے۔ امام دیلمی نے حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میرے پاس جبرئیل آئے اور کہا: یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) اگر آپ نے ہوتے تو جنت اور دوزخ کی تخلیق نہ ہوتی۔ امام ابن عساکر کی روایت میں ہے کہ اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم نہ ہوتے تو دنیا کی تخلیق نہ ہوتی۔

کشف الخفاء للعجلونی میں ہے:

أتانى جبريل فقال: يا محمد لولاك ما خلقت الجنة ولولاك لما خلقت النار رواه الديلمى عن ابن عمر . (كشف الخفاء للعجلونى، جلد اول، ص : 59، مطبوعه : مكتبة العلم الحديث، بيروت )

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جبرئیل نے مجھ سے کہا کہ اگر آپ نہ ہوتے تو جنت اور دوزخ پیدا نہ کی جاتی۔

المستدرک للحاکم میں ہے: عن ابن عباس رضي الله عنهما قال: أوحى الله إلى عيسى عليه السلام: يا عيسى ! آمن بمحمد وأمر من أدركه من أمتک أن يؤمنوا به، فلولا محمد ما خلقت آدم، و لولا محمد ما خلقت الجنة و لا النار و لقد خلقت العرش على الماء فاضطرب، فكتب عليه لا إله إلا الله محمد رسول الله فسكن( .المستدرك على الصحيحين للحاكم، جلد دوم، ص : 722، حديث نمبر : 4286، مطبوعه : دار الحرمين للطباعة و النشر، مصر)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ اللہ عز و جل نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس وحی نازل فرمائی کہ اے عیسیٰ! محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر ایمان لاؤ



tufailmisbahi@gmail.com

اور تمھاری امت میں سے جو لوگ ان کو پائیں، وہ ان پر ایمان لائیں ۔ اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نہ ہوتے تو میں جنت اور دوزخ کو پیدا نہ کرتا ۔ جب میں نے عرش کو پانی پر پیدا کیا تو وہ ہلنے لگا، اس پر میں نے کلمۂ طیبہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ لکھ دیا تو وہ ساکن ہو گیا۔

کنز العمال میں ہے: أتاني جبريل فقال : يا محمد ! لو لاك ما خلقت الجنة و لو لاك ما خلقت النار .(كنز العمال للمتقي، جلد:11، ص:431، حديث نمبر : 32025، مطبوعه : مؤسسة الرسالة، بيروت )

حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ میرے پاس جبرئیل آ کر بولے: اگر آپ نہ ہوتے تو جنت اور دوزخ کی تخلیق نہ ہوتی۔

مندرجہ ذیل روایت سے بھی متعلقہ بحث (حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم باعثِ تخلیقِ کائنات ہیں) کی تائید ہوتی ہے، جسے امام متقی ہندی نے کنز العمال میں اور ابو نعیم نے دلائل النبوۃ میں نقل کیا ہے۔ المستدرک للحاکم (جلد دوم، ص: 722، حدیث نمبر: 4287) میں بھی یہ روایت موجود ہے۔

لما اقترف آدم الخطيئة قال: يا رب! اسألك بحق محمد إلا غفرت لي، فقال الله تعالى: و كيف عرفت محمداً و لم أخلقه بعد، قال : يا رب! لأنك لما خلقتني بيدك و نفخت في من روحك رفعت رأسي فرأيت على قوائم العرش مكتوباً " لا إله إلا الله محمد رسول الله " فعلمت أنك لم تضف إلى اسمك إلا أحب الخلق إليك، فقال الله عز و جل: صدقت يا آدم ! إنه لأحب الخلق إلي و إذا سألتني بحقه فقد غفرت لك، و لو لا محمد ما خلقتك. ( كنز العمال للمتقي، جلد : 11، ص: 455، حديث نمبر: 32138،مطبوعه : بيروت)

ترجمہ: جب حضرت آدم علیہ السلام سے لغزش ہوئی تو وہ بارگاہِ الٰہی میں عرض گذار ہوئے: اے میرے رب! جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے میری مغفرت فرما۔ اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا: اے آدم! تم نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو کیسے پہچانا، حالاں کہ ابھی میں نے ابھی ان کو دنیا میں بھیجا بھی نہیں ہے ۔ اس پر حضرت آدم علیہ السلام عرض گذار ہوئے: مولیٰ! جب تو نے مجھے اپنے دستِ قدرت سے پیدا کیا اور مجھ میں روح ڈالی تو میں نے عرش کے پایوں پر "لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ" لکھا ہوا پایا، جس سے میں جان گیا کہ جس ذات کے نام کو تو نے اپنے نام کے ساتھ متّصل و منسوب کیا ہے، وہ تیرے نزدیک افضل اور محبوب ترین ہستی ہے ۔ اس پر اللہ رب العزت نے فرمایا: بیشک وہ (حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم) میرا محبوب ترین بندہ ہے۔ اے آدم! جب تو نے ان کے وسیلے سے مغفرت طلب کی ہے تو میں نے تمھیں بخش دیا۔ اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم نہ ہوتے تو میں تمھیں پیدا نہ کرتا۔

## توضیح وتشریح:

اللہ رب العزت نے اپنے محبوب جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بیشمار فضائل و خصوصیات سے نوازا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ عزوجل کے نائبِ مطلق، مظہرِ ذاتِ الٰہی، افضل الانبیاء والمرسلین اور وجہِ تخلیقِ کائنات ہیں۔ دونوں جہاں آپ کے صدقے وجود میں آئے ۔ اگر آپ کی تخلیق نہ ہوتی تو یہ دنیا بھی وجود میں نہیں آتی۔ اہلِ سنت وجماعت کا یہ بنیادی عقیدہ ہے۔ لطائفِ اشرفی کی مذکورہ حدیث "لو لاك لما خلقت الأفلاك" میں اسی مفہوم کی وضاحت کی گئی ہے۔ عاشقِ رسول حضرت امام بوصیری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مشہورِ زمانہ قصیدہ بردہ شریف میں اسی حقیقت کی جانب اشارہ کیا ہے :

و كَيْفَ تَدْعُو إِلَى الدُّنْيَا ضَرُورَةُ مَن
لو لَاهُ لَـــمْ تُخْرَجِ الدُّنْـيَا مِنَ الْعَدَمِ

یعنی کوئی ضرورت آپ کو دنیا کی طرف کیسے بلا سکتی ہے، جب کہ آپ کے مقام و مرتبہ کا یہ عالم ہے کہ اگر آپ نہ ہوتے تو یہ دنیا عدم سے وجود میں نہیں آتی۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم باعثِ تخلیقِ کائنات بھی

ہیں اور پوری کائنات کے اصل و جوہر بھی ہیں ۔ اس اجمال کی قدرے تفصیل یہ ہے کہ اللہ عزوجل نے اپنے نور سے سب سے پہلے اپنے محبوب جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے نور کو پیدا فرمایا اور پھر نورِ نبی سے پوری کائنات کی تخلیق فرمائی۔ لہٰذا آپ وجہِ کن فکاں بھی ہیں اور باعثِ تخلیقِ کائنات، جانِ کائنات اور اصلِ کائنات بھی ہیں۔ حضور سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ عزوجل نے سراپا نور بنایا اور لباس بشریت میں اس دنیا میں مبعوث فرمایا۔ قرآن ناطق ہے : قد جاءکم من اللہ نور وکتاب مبین (تحقیق کہ تمھارے پاس اللہ کی طرف سے نور آگیا)اس آیت میں ”نور“ سے مراد حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس ہے۔امام جلال الدین سیوطی لفظ ”نُور“ کی تفسیر بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وَ هُوَ النَّبِيُّ صلَّى الله عليه و اٰلهٖ و سلَّم .

یعنی اس آیت میں نور سے مراد حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم ہیں۔اب رہا یہ سوال کہ اللہ رب العزت نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کو نور سے کیوں موسوم کیا تو اس کا جواب دیتے ہوئے علامہ صاوی لکھتے ہیں:

وَ سُمِّيَ نُوْرًا لِاَنَّهٗ يُنَوِّرُ الْبَصَائِرَ وَ يَهْدِيْهَا لِلرَّشَادِ وَ لِاَنَّهٗ اَصْلُ كُلِّ نُوْرٍ حِسِّيٍّ وَ مَعْنَوِيٍّ .

یعنی حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک کو نور اس لیے بنایا گیا کہ آپ بصیرتوں کو روشن کرتے ہیں اور انھیں رُشد و ہدایت عطا فرماتے ہیں اور اس لیے کہ آپ ہر نورِ حِسّی (ظاہری نور) اور نورِ معنوی (باطنی نور/علم وہدایت) کی اصل ہیں۔(تفسیر صاوی، سورۃ المائدۃ، تحت الآیۃ:15، جلد دوم، ص:486، بیروت )

مصنف عبد الرزاق کی بڑی مشہور حدیث ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اللہ رب العزت کی پہلی تخلیق کے متعلق سوال کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواباً ارشاد فرمایا: یاجابر!ان الله تعالىٰ قد خلق قبل الأشياء نور نبيك من نوره.(اے جابر!بیشک اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوق (کو پیدا کرنے ) سے پہلے تمھارے نبی کے نور کو اپنے نور سے پیدا فرمایا۔ علامہ احمد قسطلانی علیہ الرحمہ اپنی مایۂ ناز تصنیف ”المواہب اللدنیہ بالمنح المحمدیہ“میں روایت نقل فرماتے ہیں :

و روى عبد الرزاق بسنده عن جابر بن عبد الله الأنصارى قال : قلت : يا رسول الله، بأبي أنت وأمی أخبرني عن أول شيء خلقه الله تعالىٰ قبل الأشياء . قال : يا جابر ! إن الله تعالىٰ قد خلق قبل الأشياء نور نبيك من نوره، فجعل ذلك النور يدور بالقدرة حيث شاء الله تعالى، ولم يكن فى ذلك الوقت لوح ولا قلم، ولا جنة ولا نار، ولا ملك ولا سماء، ولا أرض ولا شمس ولا قمر، ولا جني ولا انسي فلما أراد الله تعالىٰ أن يخلق الخلق قسم ذلك النور أربعة أجزاء، فخلق من الجزء الأول القلم، ومن الثاني اللوح، ومن الثالث العرش. ثم قسم الجزء الرابع أربعة أجزاء، فخلق من الجزء الأول حملة العرش، و من الثاني الكرسي، ومن الثالث باقي الملائكة، ثم قسم الجزء الرابع أربعة أجزاء، فخلق من الأول السماوات، ومن الثاني الأرضين ومن الثالث الجنة و النار، ثم قسم الرابع أربعة أجزاء، فخلق من الأول نور أبصار المؤمنين، و من الثاني نور قلوبهم - وهي المعرفة بالله - و من الثالث نور أنسهم، وهو التوحيد لا إله إلا الله محمد رسول الله ....(المواهب اللدنيه بالمنح المحمديه، جلد اول، ص : 36، 37، مطبوعه : دار الكتب العلمية، بيروت )

ترجمہ: امام عبد الرزاق اپنی سند کے ساتھ روایت بیان کرتے ہیں کہ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یارسول للہ ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ! مجھے بتائیں کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے کون سی چیز پیدا فرمائی ؟ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے جابر ! بیشک اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوق سے پہلے تیرے نبی کے نور کو اپنے نور سے پیدا فرمایا۔ پھر وہ نور

مشیت الٰہی کے مطابق جہاں چاہتا سیر کرتا رہا۔ اس وقت نہ لوح تھی نہ قلم، نہ جنت تھی نہ دوزخ، نہ فرشتہ تھا، نہ آسمان تھا نہ زمین، نہ سورج تھا نہ چاند، نہ جن تھا اور نہ انسان۔ جب اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمایا کہ مخلوقات کو پیدا کرے تو اس نور کو چار حصوں میں تقسیم کیا۔ پہلے حصے سے قلم بنایا، دوسرے حصے سے لوح اور تیسرے سے عرش۔ پھر چوتھے حصے کو چار حصوں میں تقسیم کیا تو پہلے حصے سے عرش اٹھانے والے فرشتے بنائے اور دوسرے سے کرسی اور تیسرے سے باقی فرشتے۔ پھر چوتھے کو مزید چار حصوں میں تقسیم کیا تو پہلے سے آسمان بنائے، دوسرے سے زمین اور تیسرے سے جنت اور دوزخ بنائے۔ پھر چوتھے حصے کو مزید چار اجزا میں تقسیم کیے۔ پہلے سے مومنین کی آنکھوں کے نور بنائے، دوسرے سے ان کے دلوں کے نور یعنی معرفۃ باللہ پیدا کی۔ تیسرے سے ان کی انسیت کا نور یعنی کلمۂ توحید لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کو پیدا فرمایا........

اسی مفہوم کی روایت مصنَّفِ عبد الرزاق میں ان الفاظ کے ساتھ بیان کی گئی ہے، جس کا ماحصل یہی ہے کہ اللہ عزوجل نے سب سے پہلے اپنے نور سے اپنے حبیب پاک صاحبِ لولاک صلی اللہ علیہ وسلم کے نور کو پیدا کیا اور نورِ محمدی کو مختلف حصوں میں تقسیم کرکے کائنات اور اس کی مختلف چیزیں پیدا کیں۔

عبد الرزاق عن معمر عن ابن المنكدر عن جابر قال : سألت رسول الله صلى الله عليه و سلم عن أول شيئ خلقه الله تعالىٰ ؟ فقال : هو نور نبيك يا جابر خلقه الله، ثم خلق فيه كل خير، و خلق بعده كل شيء، و حين خلقه أقامه قدامه من مقام القرب اثنى عشر ألف سنة، ثم جعله أربعة أقسام، فخلق العرش و الكرسى من قسم و حملة العرش و خزنة الكرسى من قسم، و أقام القسم الرابع فى مقام الحب اثنى عشر ألف، ثم جعله أربعة أقسام، فخلق القلم من قسم، و اللوح من قسم، و الجنة من قسم، ثم أقام القسم الرابع فى مقام الخوف اثنى عشر ألف سنة جعله أربعة أجزاء فخلق الملائكة من جزء، والشمس من جزء، والقمر والكواكب من جزء، وأقام الجزء الرابع في مقام الرجاء اثنى عشر ألف سنة، ثم جعله أربعة أجزاء فخلق العقل من جزء و العلم و الحكمة و العصمة و التوفيق من جزء ..... إلى أن أوصله الله صلب عبد الله بن عبد المطلب، و منه إلى رحم أمى آمنة بنت وهب، ثم أخرجنى إلى الدنيا فجعلني سيد المرسلين و خاتم النبيين و رحمة للعالمين و قائد الغر المحجلين و هكذا كان بدء خلق نبيك يا جابر. (الجزء المفقود من الجزء الأول من المصنّف لعبد الرزاق، ص : 64، 66، مطبوعه : مؤسسة الشرف، لاهور، پاكستان)

علامہ احمد قسطلانی، میلاد نامۂ ابن طغربک کے حوالے سے تحریر فرماتے ہیں کہ جب اللہ رب العزت نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا تو انھوں نے کہا: یارب العالمین! تونے میری کنیت "ابو محمد" کیوں رکھی۔ اس پر اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا : اے آدم! اپنے سر کو اٹھا۔ جب انھوں نے اپنے سر کو اٹھایا تو عرش کے پایہ میں انھیں نورِ محمدی نظر آیا۔ اس وقت انھوں نے کہا: اے میرے رب! یہ کیسا نور ہے۔ رب نے فرمایا: یہ تمھاری اولاد میں سے اس کا نور ہے جس کا نام آسمان میں احمد اور زمین پر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہے۔ اگر یہ نہ ہوتے تو میں نہ تجھے پیدا کرتا اور نہ زمین و آسمان کو پیدا کرتا۔ اس بات کی تائید امام حاکم کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے، جس میں کہا گیا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے عرش کے پایوں محمد رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا اسمِ مبارک لکھا ہوا پایا اور اللہ رب العزت نے ان سے فرمایا: اے آدم! اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نہ ہوتے تو میں تجھے پیدا نہ کرتا۔ ■■■

انوار حیات

# افضلیت صدیق اکبر

## رضی اللہ تعالیٰ عنہ

محمد رمضان رضا عطاری

اہل سنت کا یہ اجماعی عقیدہ ہے کہ انبیا علیہم السلام کے بعد سب سے افضل، اقدم، اکرم، خلیفۂ اوّل عاشق اکبر حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔ یہ عقیدہ قرآن کریم اور احادیث مبارکہ کی واضح نصوص اور اقوالِ علما و ائمہ و فقہا و محدثین و متکلّمین و مفسرین سے ثابت ہے۔ اس کے خلاف عقیدہ رکھنے والا بلکہ اس میں توقف اور سکوت اختیار کرنے والا گمراہ و بد مذہب ہے۔

اہل سنت کے نزدیک افضلیت کا معیار کثرتِ ثواب اور تقویٰ ہے یعنی جو شخص تقوے کے وصف سے جتنا زیادہ متّصف ہو گا وہی افضل ہو گا، اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں ارشاد فرماتا ہے:

"اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ"

(سورۂ حجرات 13)

تم میں زیادہ عزت والا وہ جو تم میں زیادہ پرہیز گار ہے۔

اس آیت کریمہ سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ اللہ کریم کے نزدیک افضل وہی ہے جو متقی اور پرہیز گار ہے۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ تمام انسانوں میں (بعد از انبیا علیہم السلام) تقویٰ اور پرہیز گاری کے اعلیٰ مرتبے پر کون سب سے زیادہ فائز ہے؟ تو جب ہم قرآن کریم کی طرف دیکھتے ہیں تو ہماری نظروں کا محور و مرکز یہ آیت کریمہ بنتی ہے اللہ پاک ارشاد فرماتا ہے:

وَسَيُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى. (سورۂ لیل آیت 17)

اور بہت جلد اس (جہنم) سے دُور رکھا جائے گا جو سب سے بڑا پرہیز گار۔

تمام مفسرین کا اس بات پر اجماع ہے کہ یہ آیت پاک حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حق میں نازل ہوئی۔ چناں چہ بطور ثبوت چند حوالے ملاحظہ ہوں۔

امام محی السنہ ابو محمد حسین بن مسعود بغوی علیہ الرحمۃ والرضوان (متوفیٰ: 516ھ) اس آیت کے تحت فرماتے ہیں:

"يعنى أبا بكر الصديق، في قول الجميع."

(تفسیر بغوی ص 1414، دار ابن حزم، لبنان)

ترجمہ: یعنی تمام مفسرین کا اجماع ہے کہ اس سے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ مراد ہیں۔

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (م: 604ھ) اپنی شہرہ آفاق تفسیر، تفسیر کبیر میں اس آیت کے تحت لکھتے ہیں:

أجمع المفسرون منا على أن المراد منه ابو بكر رضي الله عنه. (تفسیر کبیر ج 11، ص 191، مطبوعہ: دار الفکر)

ترجمہ: ہم (اہل سنت) میں سے تمام مفسرین کا اجماع ہے کہ یہاں "الأتقی" سے مراد ابو بکر صدیق ہی ہیں۔

امام ابو عبد اللہ محمد بن احمد انصاری قرطبی علیہ الرحمۃ والرضوان (متوفیٰ: 671ھ) اپنی مایہ ناز تفسیر، تفسیر قرطبی میں رقم طراز ہیں:

"قال ابن عباس: هو ابو بكر رضي الله عنه".

(تفسیر قرطبی ج 20، ص 88، دار عالم الکتب، الریاض)

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: یہاں "الأتقی" سے مراد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ

ہیں۔

مشہور مفسر قرآن امام علی بن خازن رحمۃ اللہ علیہ (متوفی:725ھ) اس آیت پاک کے تحت تحریر فرماتے ہیں:

”وهو أبوبكر الصديق فی قول جميع المفسرين.“(تفسیر خازن ج6،ص441،دارالکتب العلمیہ،بیروت)

ترجمہ: تمام مفسرین کے نزدیک "الأتقى " سے مراد حضرت ابوبکر صدیق ہیں۔

امام ابن حجر مکی (متوفی:974ھ) لکھتے ہیں:

”قال ابن الجوزی أجمعوا أنها نزلت فی أبی بكر .“(الصواعق المحرقہ،ص91،مکتبہ حقیقیہ،استنبول)

یعنی ابن جوزی نے فرمایا: کہ مفسرین کا اجماع ہے کہ یہ آیت حضرت ابوبکر صدیق کے بارے میں نازل ہوئی۔

مذکورہ حوالہ جات سے معلوم ہوا کہ آیت میں موجود "الأتقى " سے مراد جناب صدیق اکبر ہیں، اور اتقی ہی اللہ کے نزدیک اکرم ہوتا ہے، اور اکرم، افضل ہی کے معنی میں ہے تو نتیجہ نکلا کہ حضرت ابوبکر صدیق تمام لوگوں سے افضل ہے۔

اور کثیر احادیث نبویہ بھی اس بات پر شاہد ہیں کہ تمام امت میں سب سے افضل سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔ اختصاراً چند احادیث اور ان کے متعلق شارحین کے اقوال درج ذیل ہیں:

”عن عائشة قالت قال رسول الله ﷺ لا ينبغی لقوم فيهم ابوبكر ان يؤمهم غيره.“(جامع الترمذی،کتاب المناقب،باب فی مناقب ابی بکر و عمر، رقم الحدیث 3673)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فرماتی ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس قوم میں ابوبکر ہوں انھیں یہ لائق نہیں کہ ان کی امامت ابوبکر کے سوا کوئی اور کرے۔

اس حدیث پاک کے تحت محقق علی الاطلاق، امام المحدثین، شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمۃ والرضوان (متوفی: 1052ھ) تحریر فرماتے ہیں:

"فيه دليل على فضيلته فی الدين على جميع الصحابة فكان تقديمه فی الخلافة أيضًا أولى و أفضل ".(لمعات التنقیح شرح مشکاۃ المصابیح،ج9ص601،دارالنوادر)

ترجمہ: اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق کو دین میں باقی تمام صحابہ پر فضیلت حاصل ہیں، تو آپ کو خلافت میں بھی مقدم رکھنا بہتر اور افضل ہیں۔

سنن ابی داوٗد میں ہے:

عن ابی هريرة قال "قال رسول الله ﷺ أتانی جبرئيل فأخذ بيدی فأرانی باب الجنة الذی يدخل منه امتی فقال ابو بكر يا رسول الله ﷺ وددت انی كنت معك حتى انظر اليه فقال رسول الله ﷺ اما أنك يا أبا بكر اول من يدخل الجنة من أمتی ".(سنن ابی داوٗد،کتاب السنۃ،باب فی الخلفاء)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہیں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کہ میرے پاس جناب جبریل آئے میرا ہاتھ پکڑا پھر مجھے جنت کا وہ دروازہ دکھایا جس سے میری امت داخل ہوگی حضرت ابوبکر نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! میری آرزو ہے کہ میں بھی آپ کے ساتھ ہوتا حتی کہ اسے دیکھتا تو رسول ﷺ نے فرمایا کہ اے ابوبکر تم وہ شخص ہو جو میری امت میں سے سب سے پہلے جنت میں جائے گا۔

اس حدیث کے تحت علامہ علی قاری علیہ الرحمۃ والرضوان (سال وفات:1014ھ) رقم طراز ہیں:

وفيه دليل على أنه افضل الامة والا لما سبقهم فی دخول الجنة و ايماء الى انه اسبق الامة ايمانا.(مرقاۃ المفاتیح، باب مناقب ابی بکر، ج11، ص175، دار الکتب العلمیہ،بیروت)

یعنی اس حدیث میں اس بات پر دلیل ہے کہ حضرت

ابوبکر صدیق ساری امت سے افضل ہیں ورنہ وہ سب امت سے پہلے جنت میں نہ جاتے اور اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ وہ ساری امت سے پہلے ایمان لانے والے ہیں۔

علاوہ ازیں یہ کہ آپ رضی اللہ عنہ کی افضلیت پر صحابۂ کرام کا اجماع ثابت ہے چناں چہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

"کنا نقول و رسول الله ﷺ حیٌّ: أفضل أمته بعدہٗ ابو بکر ثم عمر ثم عثمان."

(سنن ابی داؤد کتاب السنۃ، باب فی التفضیل)

زاد الطبرانی فبلغ ذالك رسول الله ﷺ فلم ینکرہ.(الصواعق المحرقہ ص95)

یعنی ہم کہا کرتے تھے جب کہ رسول اللہ ﷺ (حیات ظاہرہ کے ساتھ) زندہ تھے کہ اس امت میں حضور علیہ الصلاۃ و السلام کے بعد سب سے افضل ابوبکر ہیں، پھر عمر پھر عثمان غنی رضی اللہ عنہم امام طبرانی نے ان الفاظ کا اضافہ کیا "یہ بات رسول اللہ ﷺ کو پہنچی تو آپ نے اس پر کوئی انکار نہیں فرمایا۔".

بخاری شریف کی حدیث پاک ہے:

وَعَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْحَنَفِيَّةِ قَالَ: قُلْتُ لِأَبِي: أَيُّ النَّاسِ خَيْرٌ بَعْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ قَالَ: أَبُو بَكْرٍ. قُلْتُ: ثُمَّ مَنْ؟ قَالَ: عُمَرُ. وَخَشِيتُ أَنْ يَقُولَ: عُثْمَانُ. قُلْتُ: ثُمَّ أَنْتَ قَالَ: «مَا أَنَا إِلَّا رَجُلٌ مِنَ الْمُسْلِمِينَ». (صحیح البخاری، کتاب فضائل اصحاب النبی، باب فضل أبی بکر بعد النبی. رقم الحدیث 3671)

ترجمہ: حضرت محمد ابن حنفیہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد{حضرت علی رضی اللہ عنہ} سے کہا کہ نبی ﷺ کے بعد لوگوں میں کون بہتر ہے؟ فرمایا ابوبکر، میں نے کہا پھر کون؟ فرمایا عمر، میں ڈرا کہ آپ کہہ دیں گے کہ عثمان، تو میں نے کہا پھر آپ؟ فرمایا میں تو نہیں مگر مسلمانوں میں سے ایک شخص۔

مزید حضرت ابن عمر فرماتے ہیں:

کنا نخیر بین الناس فی زمن النبی ﷺ فنخیر أبا بکر ثم عمر بن الخطاب، ثم عثمان بن عفان رضی الله عنهم.(ایضًا. رقم الحدیث:3655)

ترجمہ: ہم لوگ نبی ﷺ کے زمانے میں ابوبکر کو سب سے بہتر سمجھتے تھے، پھر عمر بن خطاب کو اور پھر عثمان بن عفان کو۔

اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام بالخصوص خود مولائے کائنات حضرت علی رضی اللہ عنہ صدیق اکبر کی افضلیت کے قائل تھے، تو جو کوئی حضرت علی کو حضرت ابوبکر پر فضیلت دیتا ہے تو وہ ان احادیث کو بار بار پڑھے اور دیکھے کہ وہ افضلیت کے مسئلے پر کس کی اتباع کر رہا ہے؟ التوفیق من جانب الله

مزید بر آں فقہا و محدثین کی تصریحات سے بھی ہمیں افضلیت صدیق اکبر کی طرف اشارہ ملتا ہے۔ چناں چہ: امام الائمہ سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ نے "الفقہ الاکبر" میں "المفاضلۃ بین الصحابۃ" کے نام سے ایک مکمل باب باندھا ہے جس میں آپ لکھتے ہیں:

"أفضل الناس بعد رسول الله ﷺ ابو بکر الصدیق ثم عمر بن الخطاب ثم عثمان بن عفان ثم علی بن أبی طالب رضوان الله تعالیٰ علیهم أجمعین."(الفقہ الاکبر، ص107، مکتبۃ المدینہ)

یعنی رسول اللہ ﷺ کے بعد لوگوں میں سب سے افضل ابوبکر صدیق ہیں، پھر عمر بن خطاب، پھر عثمان غنی، پھر مولا علی رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین ہیں۔

اس کی شرح کرتے ہوئے علامہ علی قاری لکھتے ہیں:

فهو أفضل الأولیاء من الأولین و الآخرین، وقد حکی الاجماع علی ذالك، ولا عبرة بمخالفة الروافض هنالك.(شرح الفقہ الاکبر ص108)

یعنی حضرت ابوبکر صدیق اولین و آخرین کے اولیا میں

سب سے افضل ہیں، اور بے شک اس پر اجماع منقول ہے، اور یہاں پر روافض کی مخالفت کا کوئی اعتبار نہیں۔

علامہ نجم الدین ابو حفص عمر بن محمد نسفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفیٰ:537ھ) تحریر فرماتے ہیں:

وأفضل البشر بعد نبينا ابو بكر الصديق. الخ (العقائد النسفیہ، ص 321، مکتبہ المدینہ)

ترجمہ: ہمارے نبی محمد مصطفیٰ ﷺ کے بعد انسانوں میں سب سے افضل حضرت ابوبکر صدیق ہے۔

امام ابن حجر مکی فرماتے ہیں:

اعلم أن الذى أطبق عليه عظماء الملة وعلماء الأمة أن أفضل هذه الأمة ابو بكر الصديق ثم عمر. (الصواعق المحرقہ ص79)

یعنی جان لو کہ جس بات پر ملت کے عظما اور امت کے علما کا اجماع ہے یہ ہے کہ اس امت میں سب سے افضل ابوبکر صدیق ہیں، پھر عمر۔

امام عبد الوہاب شعرانی علیہ الرحمہ (متوفیٰ:973ھ) نے افضلیت ابوبکر صدیق کے موضوع پر ایک مستقل باب اس نام سے قائم کیا، فرماتے ہیں:

المبحث الثالث وأربعون: فى بيان أن أفضل الاولياء المحمدين بعد الأنبياء والمرسلين أبو بكر ثم عمر ثم عثمان ثم على رضى الله عنهم أجمعين. (الیواقیت والجواہر، الجزء الاول، ص328، دار الکتب العلمیہ)

ترجمہ: بحث '43' اس بیان میں ہے کہ انبیا و مرسلین کے بعد تمام اولیاے امت محمدیہ میں سب سے افضل حضرت ابوبکر صدیق ہیں، پھر حضرت عمر، پھر حضرت عثمان پھر مولا علی رضی اللہ عنہم ہیں۔

امام جلال الدین سیوطی (سال وفات: 911ھ) رقم طراز ہیں:

"أجمع أهل السنة أن أفضل الناس بعد رسول الله ﷺ ابو بكر ثم عمر، ثم عثمان ثم على ثم سائر العشرة ثم باقى أهل البدر ثم باقى أهل أحد ثم باقى أهل البيعة، ثم باقى الصحابة هكذا حكى الاجماع عليه أبو منصور البغدادى". (تاریخ الخلفاء ص39، دار ابن حزم)

ترجمہ: اہل سنت کا اجماع ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد تمام لوگوں میں افضل ابوبکر صدیق ہیں، پھر عمر فاروق، پھر عثمان غنی، پھر مولا علی، پھر تمام عشرۂ مبشرہ، پھر باقی اہل بدر پھر باقی اہل احد، پھر باقی اہل بیعت رضوان، پھر باقی صحابہ رضی اللہ عنہم۔ ایسے ہی اس پر ابو منصور بغدادی نے اجماع نقل کیا ہے۔

امام شہاب الدین قسطلانی علیہ الرحمۃ والرضوان (متوفیٰ:943ھ) تحریر فرماتے ہیں:

فيقال فيها الأفضل بعد الأنبياء ابو بكر، وقد أطبق السلف على أنه أفضل الأمة. حكى الشافعى وغيره. اجماع الصحابة والتابعين على ذالك. (ارشاد الساری لشرح صحیح البخاری، ج8، ص147، دار الکتب)

ترجمہ: اس بارے کہا گیا ہے کہ انبیا علیہم السلام کے بعد افضل ابوبکر صدیق ہیں، اور تحقیق سلف کا اتفاق ہیں اس بات پر کہ آپ امت میں سب سے افضل ہیں۔ امام شافعی اور آپ کے علاوہ نے صحابہ کرام اور تابعین کا اس پر اجماع نقل کیا ہیں۔

مذکورہ بالا دلائل سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح اور ظاہر ہوگئی کہ انبیا علیہم السلام کے بعد امت میں سب سے افضل خلیفۂ بلافصل حضرت سیدنا ابوبکر صدیق ہیں۔ توجو کوئی اس کے بر خلاف عقیدہ رکھے وہ سنی نہیں تفضیلی ہے جس کا اہل سنت سے کوئی تعلق نہیں۔

اللہ کریم! ہمیں قرآن و حدیث کو کما حقہٗ سمجھنے اور اس پر عمل کرنے اور بزرگوں کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے آمین بجاہ النبی الامین ﷺ۔ ■

یاد ماضی آخری قسط

# مبارک پور کی معاشی و معاشرتی تاریخ

مہتاب پیامی

اس مقدمے میں کچھ ایسے نامور تاجروں کو کٹہرے میں کھڑا کیا گیا، جن کی تجوریاں لبریز تھیں، مگر دل خالی۔ الزام یہ تھا کہ انھوں نے دانستہ طور پر اناج کو گوداموں میں قید رکھا، بازار میں قلت پیدا کی، اور بھوکی نگاہوں کو قیمتوں کے طمانچے کھانے پر مجبور کیا۔ ان کے لیے غلہ محض ایک شے تھی، جس کی رسد و طلب کا کھیل منافع کا ذریعہ تھا، جب کہ عوام کے لیے وہ زندگی کا سہارا تھا۔

عدالتوں میں بیانات دیے گئے، سرکاری افسران نے فائلوں پر مہریں لگائیں، اور اخباروں میں شہ سرخیاں بنیں۔ حکومت نے راشن کارڈ، کنٹرول نرخ اور نگرانی کے قوانین کا اعلان کیا، مگر "**جہاں بھوک سوال بن جائے، وہاں ضابطے جواب نہیں بنتے**"۔

"غلہ کیس" اپنی تمام تر قانونی موشگافیوں کے باوجود، ایک آئینہ تھا — ایسا آئینہ جس میں نوآبادیاتی معاشی نظام کی بدصورتی، سرمایہ داری کی بے حسی، اور عوامی بے بسی عیاں تھی۔ یہ محض ایک مقدمہ نہ تھا بلکہ ایک تہذیبی المیہ تھا جہاں کچھ انسانوں نے اناج کے دانوں کو سونے کی طرح تولا، اور دوسرے انسان اپنی بھوک کا مول بھرتے رہے۔ غلہ کیس، بمبئی کے تاریخ کے صفحات میں ایک ایسی سطر ہے، جو نہ صرف قانون، بلکہ اخلاق، معیشت اور انسانیت کے دائرے میں ہمیشہ سوال بن کر زندہ رہے گی۔

## "غلہ کیس" اور بوہروں کی اندرونی کشمکش:

بمبئی کا مذکورہ "غلہ کیس" بوہری جماعت کی تاریخ میں ایک اہم موڑ ثابت ہوا۔ ملا رحمت علی مبارک پوری اور ملا سیف الدین کے درمیان تنازعہ کھڑا ہوا، جس میں بمبئی کے ملا سیف الدین نے نے "غلہ کیس" کا حوالہ دیتے ہوئے مبارک پور کے بوہروں کے لیے مالی امداد بند کروادی۔ نتیجتاً، ملا رحمت علی کو بمبئی سے نکل کر مبارک پور میں پناہ لینی پڑی۔ یہ واقعہ نہ صرف مذہبی قیادت کی داخلی تقسیم کا غماز تھا بلکہ یہ بھی ظاہر کرتا ہے کہ مذہبی تنازعات صرف عقائد تک محدود نہیں، بلکہ وہ معاشی مفادات اور سیاسی اثر و رسوخ کے دائرے میں بھی داخل ہو چکے تھے۔

## تعلیم کا متوازی نظام:

مدارس کے ساتھ ساتھ گھریلو تعلیم کا نظام بھی مبارک پور کی علمی فضا کا اہم حصہ رہا ہے۔ بزرگ حضرات گھروں سے قرآن، اردو، عربی اور فارسی کی تعلیم دیا کرتے، جب کہ خواتین بھی محلے کے بچوں کو زیورِ تعلیم سے آراستہ کرتیں، خود میرا بھی معاملہ ایسا ہی رہا۔ میری والدہ محترمہ نے مجھے قرآن مجید ناظرہ کی تعلیم دی اور اردو ہندی کی ابتدائی کتابیں بھی مجھے انھی سے پڑھنے کا شرف حاصل ہے۔ یہ روایتی نظام آج بھی اس معاشرتی نقش کا حصہ ہے جہاں تعلیم صرف اداروں تک محدود نہ تھی، بلکہ گھروں کی دہلیز پر بھی علم کے چراغ روشن کیے جاتے تھے۔ ان دہلیزوں پر روشن ابتدائی تعلیم کے چراغ نہ صرف علم کی منتقلی کا ذریعہ بنے بلکہ ایک اجتماعی شعور کی بیداری کا سبب بھی۔ گھروں سے دی جانے والی یہ تعلیم خاص طور پر لڑکیوں کے لیے روشنی کی کرن ثابت ہوئی، جنھیں رسمی تعلیمی اداروں میں رسائی حاصل نہ تھی، ان کی ابتدائی تربیت انھی تعلیم یافتہ خواتین کے ذریعے ہوئی، جو مذہب، اخلاق، اردو، عربی اور فارسی کی تعلیم اپنے گھروں کی چار دیواری کے اندر دیتی تھیں۔

قرآن مجید کو زبانی یاد کرنے والے حافظ حضرات بھی گھروں ہی سے تعلیم دیتے، اور یہ نظام خالصتاً مذہبی اقدار کے گرد گھومتا تھا۔

یہ وہ فکری ماحول تھا جہاں معاشرتی تربیت اور دینی شعور، تعلیم کے بنیادی ستون تھے۔ فارسی ادب پر مہارت رکھنے والوں کو "میاں صاحب" کہا جاتا، جو معاشرے میں علمی مقام کے حامل سمجھے جاتے۔ مبارک پور اب محض ایک قصبہ نہ رہا، بلکہ ایک نوخیز اسلامی مرکز میں ڈھلنے کی کوشش میں مصروف تھا، جہاں تعلیم، مذہب اور سماجی تنظیمیں ایک دوسرے سے جڑی ہوئی قوتیں تھیں۔

**اسلامائزیشن اور تجارتی خود مختاری:**

1920 کی دہائی میں مذہبی اور سماجی احیا کے یہ آثار تجارتی میدان میں بھی نمایاں ہونے لگے۔ مبارک پور کی مسلم کمیونٹی نے نہ صرف مذہبی اداروں کو مضبوط کیا، بلکہ تجارتی اتحادوں پر بھی نظر ثانی کی۔ "اسلامائزیشن" اب محض وضع قطع یا رسوم و عبادات کی حد تک محدود نہ رہا، بلکہ اس نے معیشت، معاشرت اور قیادت کی از سرِ نو تشکیل کا آغاز کر دیا۔ یہی وہ دور تھا جب ہندو تاجروں اور ساہوکاروں کے ساتھ تجارتی روابط منقطع کرنے کی مہم شروع ہوئی۔ جمعہ، 12 دسمبر 1919 کو مبارک پور کے قریب اٹھائیس مواضعات کے بنکر گاؤں گھبڑا میں جمع ہوئے اور فیصلہ کیا کہ آئندہ وہ بابو مہابیر، بابولال اور کمتا پرساد اگروال سے ریشم اور دھاگے کا لین دین نہیں کریں گے۔ یہ اعلان تجارتی خود مختاری کی پہلی باقاعدہ دستک تھا۔

9 جنوری 1920 کو ایک پنچایت محلہ پورہ دلہن میں منعقد ہوئی، جہاں خلاف ورزی کرنے والوں پر جرمانے عائد کیے گئے۔ عبدالمجید پر سب سے زیادہ 101 روپے کا جرمانہ لگایا گیا۔ 8 فروری 1920 کو گولا بازار میں پنچایت کے موقع پر بابو مہابیر چودھری نے اپنی دکان کھولی، جس پر انھیں 200 روپے کا جرمانہ اور 25 روپے پنچایت کے اخراجات کے طور پر ادا کرنے پڑے۔ اسی موقع پر سریاں گاؤں کے کریم بخش دلال کو دو سو روپے جرمانہ ہوا، دو گھنٹے کھڑا رکھا گیا، اور "گوش مالی" کی سزا دے کر معاف کر دیا گیا۔ تاہم، اسی گاؤں کے اسمٰعیل کے بیٹے صابر کو برادری سے بے دخل کر دیا گیا، جو ان فیصلوں کی شدت اور اثر پذیری کا غماز تھا۔

**مقامی پنچایتیں، سیاست میں عوامی شمولیت کا نمونہ:**

مذہبی اور تجارتی اداروں کے ساتھ ساتھ، مبارک پور میں پنچایتوں نے خود کو سماجی انصاف اور سیاسی تحریکوں کا مرکز بھی بنا لیا۔ عدم تعاون اور خلافت تحریکوں کے دوران ان پنچایتوں نے قائدانہ کردار ادا کیا۔ جولائی 1921 میں پچری گاؤں کے باغ میں منعقد ہونے والی "چوراسی" پنچایت اسی سیاسی شعور کا مظہر تھی۔ اس پنچایت کو منشی یعقوب اور مولوی شبلی خیر آبادی نے طلب کیا تھا، جس میں چار افراد پر الزام عائد کیا گیا: احمد اللہ دلال، حاجی حسن، عبداللہ حاجی اور سبحان مہتر۔

یہ اجلاس 24 جولائی کو صبح 9 بجے شروع ہوا اور اگلی رات 8 بجے فیصلہ سنایا گیا۔ تین افراد پر جرم ثابت ہونے کے بعد احمد اللہ دلال پر 100 روپے، حاجی حسن اور حاجی عبداللہ پر 50-50 روپے کا جرمانہ عائد کیا گیا، جسے خیر آباد کی خلافت کمیٹی کے فنڈ میں جمع کرایا گیا۔ سبحان مہتر کو معاف کر دیا گیا۔ یہ فیصلہ اس قدر مؤثر تھا کہ خیر آباد کے عوام نے اسے نہایت تسلی بخش قرار دیا۔

احمد اللہ دلال، حاجی حسن اور حاجی عبداللہ نے خود کو سزا سے بچانے کے لیے "افسرانِ قوم" کو راضی کرنے کی کوشش کی، لیکن عوامی پنچایت کے سامنے یہ تدبیریں ناکام رہیں۔ 26 جولائی کی صبح 4 بجے یہ تاریخی پنچایت ملتوی ہوئی۔

**کوپاگنج میں پنچایت کی فیصلہ کن کارروائی:**

کوپاگنج میں، جب بعض شراب فروش ٹھیکے داروں نے عدم تعاون تحریک کے رضاکاروں پر سختی کی، تو پنچایت نے نہ صرف ان کے خلاف فیصلہ سنایا بلکہ انھیں جوتوں سے مارنے کی سزا بھی دی۔ یہی نہیں، بلکہ ان افراد کو کانگریس کی ضلعی کمیٹی میں اپیل کرنے کی اجازت بھی نہیں دی گئی۔ اس عمل سے ظاہر ہوتا ہے کہ پنچایتیں صرف مقامی نظام انصاف تک محدود نہ تھیں بلکہ وہ قومی تحریکوں کی اخلاقی پشت پناہ بھی بن چکی تھیں۔

**مبارک پور کا داخلی اضطراب:**

جب خلافت اور عدم تعاون کی تحریکیں ہندوستان کے

طول وعرض میں جوش وخروش سے گونج رہی تھیں، مبارک پور بھی اس سیاسی بیداری سے لاتعلق نہ رہا۔ تاہم، یہاں کی سیاست ایک الگ ہی رنگ لیے ہوئے تھی، یہ وہ رنگ تھا جس میں برادری کی پہچان، مذہبی وابستگی، ذاتی رنجشیں اور مفادات کی چالاک بساط ایک ساتھ بچھی ہوئی تھی۔

1922 میں وہ لمحہ آیا جب برادری کی یکجہتی کے پردے چاک ہونے لگے۔ عدم تعاون اور خلافت تحریک جیسے قومی نظریات کے برعکس، مبارک پور کی سیاست میں ذاتی اور برادری کے مفادات غالب دکھائی دیے۔ ایک واقعے میں چھ بنکر بابو بال کشن اگروال کی کپڑے کی دکان پر احتجاج کرنے کے جرم میں چھ ماہ کی قید با مشقت سزا کاٹنے پر مجبور ہوئے۔ یہ لمحۂ حیرت تھا، کیوں کہ ان کے خلاف گواہی دینے والے پانچ افراد بھی اسی برادری کے تھے۔

اس موقع پر عبدالمجید، جنھیں خود "سوراج" یا خلافت تحریک سے کوئی خاص دلچسپی نہ تھی، نے مسلم اخوت کی بنیاد پر ان سزا یافتہ افراد سے ہمدردی کا اظہار کیا۔ اُن کے الفاظ، "یہ لوگ خود مسلمان ہوتے ہوئے بھی مسلمانوں کو قید کروا رہے ہیں" دراصل ایک داخلی اضطراب کی بازگشت تھے۔ یہاں "مسلمان" محض مذہب کا حوالہ نہ رہا، بلکہ "انصاری" کی شناخت کا استعارہ بن چکا تھا، جس سے واضح ہوا کہ برادری کے اندر فکری اور سماجی تقسیم اب ناقابلِ انکار حقیقت بن چکی ہے۔

### مذہبی قیادت کی کشمکش:

مبارک پور کی مقامی سیاست کا ایک اور رنگ محمد امین گرہست اور مولوی شکر اللہ کی کشمکش سے اجاگر ہوتا ہے۔ امین گرہست، ایک بااثر زمیں دار، اہل سنت وجماعت کے دَم دار رہنما اور طویل عرصے تک میونسپل بورڈ کے چیئرمین بھی تھے۔ ان کے مدِ مقابل دیوبندی مسلک کے علم بردار مولوی شکر اللہ تھے، اپنے دور میں خلافت کمیٹی کے سکریٹری اور ایک سخت گیر انسان تھے۔ اگرچہ ان کی نجی شناخت پر بھی اعتراضات اٹھائے گئے ہیں لیکن ان کی سیاسی چالاکی اور خطیبانہ مہارت نے انھیں مبارک پور کی دیوبندی جماعت کا نمایاں رہنما بنا دیا۔

1930 کی دہائی میں ان دونوں گروپوں کے درمیان اکثر جھڑپیں اور لاٹھی چارج کی نوبت آتی تھی۔ تاہم وہ وقت بھی آیا جب انھوں نے اپنی پسپائی قبول کر لی اور امین گرہست کو اچھا آدمی کہنے لگے۔

### مقامی حکومت اور جدید نظام کا سامنا:

1929 میں اعظم گڑھ ضلع کے تمام نوٹیفائیڈ علاقوں کو ٹاؤن ایریا میں بدلنے کی تجویز پر بحث نے مقامی سیاست کو مزید پیچیدہ بنا دیا۔ 30 جولائی 1930 کو مبارک پور کی نوٹیفائیڈ ایریا کمیٹی کا اجلاس منعقد ہوا، جس کی صدارت شیخ عبدالمجید نے کی۔ اراکین میں شیخ محمد امین، شیخ محمد شفیع اور بابو گنیش پرساد شامل تھے۔ اجلاس میں حکومت کو یاد دہانی کرائی گئی کہ مبارک پور 1908 سے نوٹیفائیڈ ایریا کے درجے پر فائز ہے، اور اس کی آبادی اب 12،500 نفوس پر مشتمل ہے۔ یہ وہ دور تھا جب مبارک پور اپنی شناخت کی بازیافت کے سفر پر گامزن تھا، مگر یہ سفر داخلی تضادات، شخصی کشمکش اور سیاسی چالاکیوں سے لبریز تھا۔ اس وقت مبارک پور اپنی تاریخ کے ایک نازک دور سے گزر رہا تھا۔ برطانوی راج کے تحت مقامی نظم ونسق کے جو تجربے برسوں پہلے "نوٹیفائیڈ ایریا" کی صورت میں شروع ہوئے تھے، وہ اب نئے سوالات اور نئے امکانات کی طرف بڑھ رہے تھے۔ لیکن ہر تبدیلی اپنے ساتھ اختلاف، انتشار اور بعض اوقات غیر متوقع تباہی بھی لے کر آتی ہے۔

1930 میں نوٹیفائیڈ ایریا کمیٹی نے اپنی مدت کے اختتام تک، یعنی 1932 تک، موجودہ حیثیت برقرار رکھنے کی سفارش کی۔ اس کی وجہ یہ بتائی گئی کہ پچھلے انتخابات کے بعد شکست خوردہ گروہ کے ساتھ پورا سال قانونی جنگ میں گزر چکا تھا، اور نظم ونسق کی کوئی مؤثر پیش رفت ممکن نہ ہو سکی۔ تاہم، کمیٹی کے اندرونی مباحث نے ایک اور رخ اختیار کیا جب زرعی علاقوں، خاص طور پر املو جیسے

گاؤں کی شمولیت پر بحث چھڑ گئی۔ 16 جولائی 1930 کو کمیٹی کے صدر کی جانب سے پیش کردہ رپورٹ میں املو خاص کا ذکر بڑے معنی خیز انداز میں کیا گیا۔ یہ گاؤں، جو بنیادی طور پر زرعی تھا، اس کے دو محلے، پورہ محبت اور پورہ محمود، ریشمی صنعت میں مہارت رکھتے تھے، جہاں کی اکثریت بنکروں پر مشتمل تھی۔ قریبی دیہات جیسے نوادہ، سریاں، رسول پور، اور علی نگر بھی ریشمی کپڑا بنانے اور اس کی تجارت کرنے والوں سے بھرے ہوئے تھے۔ چاں چہ، کمیٹی نے اکثریتی رائے سے مبارک پور کو ٹاؤن ایریا قرار دینے کی منظوری دے دی، لیکن یہ فیصلہ سب کے لیے قابلِ قبول نہ تھا۔ 2 اگست 1930 کو مبارک پور کے 95 باشندوں نے انگوٹھے کے نشانات ثبت کرتے ہوئے ایک درخواست ضلع مجسٹریٹ کو پیش کی، جس میں انھوں نے کہا کہ ”اگرچہ موجودہ نوٹیفائیڈ ایریا کے ارکان اس تبدیلی کے خلاف ہیں، ہم مبارک پور کے عوام اسے خوش آئند سمجھتے ہیں، بشرطے کہ املو اور سکٹھی جیسے زرعی علاقے اس حدود سے باہر رکھے جائیں۔“

## مقامی معیشت کا زوال اور گم ہوتی شناخت:

مبارک پور کی معیشت اور انتظامی حیثیت کی نزاکت اُس وقت اور واضح ہو گئی جب 12 دسمبر 1929 کو ایس۔ ایم۔ جعفر، ٹاؤن مجسٹریٹ نے اپنی رپورٹ میں لکھا کہ ”یہ قصبہ زوال پذیر ہے“۔ 29-1928 کی آمدنی اگرچہ 883،6 روپے تھی، لیکن اقتصادی اور صنعتی سرگرمیاں ماند پڑ چکی تھیں۔ ضلع مجسٹریٹ این۔ سی۔ مہتا نے 2 اپریل 1930 کو کمشنر گورکھپور کو رپورٹ پیش کی، جس میں صاف کہا گیا کہ ”مبارک پور کی تجارت عرصۂ دراز سے ماند ہے اور اس کے احیا کی امید کم ہے۔“ یہی رائے ٹاؤن ایریا کے درجہ دینے کے فیصلے کا جواز بنی۔

مگر 1940 کی دہائی میں وقت نے جیسے ایک اور کروٹ لی۔ نئے ضلع مجسٹریٹ نے اپنی معائنہ رپورٹ میں لکھا: ”ٹاؤن ایریا کا درجہ دینا ایک غلطی تھی، مبارک پور اب بھی اتنی اہم اور خوش حال جگہ ہے کہ اسے دوبارہ نوٹیفائیڈ ایریا بنایا جانا چاہیے۔“ اس کے باوجود سب ڈویژنل مجسٹریٹ نے اس خیال کو رد کر دیا اور کہا: ”ٹاؤن ایریا کا درجہ ملنے کے بعد سے اس کی خوش حالی مزید گھٹ گئی ہے۔“

اُس وقت ریشمی صنعت، جو کبھی مبارک پور کی پہچان تھی، اب فیشن سے باہر ہو چکی تھی، اور زری و ریشم کی بڑھتی قیمتوں اور بھاری ٹیکسوں نے باقی صنعت کو بھی تباہی کے دہانے پر لا کھڑا کیا۔ آمدنی محض 200،3 روپے پر آ چکی تھی، اور انتظامیہ کے لیے مزید مالی بوجھ اٹھانا ممکن نہ تھا۔

## مذہبی تصادم اور آزاد ہندوستان کا خواب:

جب ہندوستان نے 1947 میں آزادی حاصل کی، تو مبارک پور جیسے قصبے میں یہ آزادی نہ صرف سیاسی، بلکہ مذہبی آزادی کے طور پر بھی محسوس کی گئی۔ 28 جولائی 1948 کو، جب پرانی بستی میں ایک ہندو گھر میں مذہبی اجتماع کے دوران شنکھ بجایا گیا، تو یہ عمل محض ایک عبادت نہ رہا، یہ ایک پرانی پابندی کو توڑنے کی علامت بن گیا۔ مسلمانوں کی اکثریت نے اسے جارحیت سمجھا اور قریب ڈھائی تین سو افراد پر مشتمل ہجوم نے حملہ کر دیا۔

پولیس رپورٹ میں کہا گیا کہ ”مسلمانوں کی اکثریت کے سبب ہندو شنکھ نہیں بجا سکتے تھے، مگر آزادی کے بعد ہندوؤں نے پرانی روایات کو توڑنے کی کوشش کی۔“ یہ صرف ایک مذہبی جھگڑا نہ تھا، بلکہ اس میں شناخت، عزت اور تاریخ کا بوجھ بھی شامل تھا۔ رپورٹ کے مطابق 1906 میں بھی ایسا ہی واقعہ پیش آیا تھا، جب ایک مسلمان پولیس افسر نے رشوت کے بدلے شنکھ بجانے کی اجازت دی تھی۔

## سیاسی تبدیلی اور فرقہ وارانہ فسادات:

وقت کے ساتھ ساتھ مذہبی تقسیم میں سیاسی رنگ بھی شامل ہو گیا۔ 1959 میں مبارک پور میں ہولی کے موقع پر ہونے والا آخری ہندو-مسلم فساد دراصل ایک سیاسی کشمکش کا شاخسانہ تھا۔ مقامی مسلمانوں کی کمیونسٹ پارٹی سے وابستگی اور ہندو اکثریت کی اس پر مخالفت نے اس تصادم کو مزید سنگین بنا دیا۔

1960 کے بعد مبارک پور کی معیشت نے کئی نشیب و فراز دیکھے، جن میں روایتی دست کاری کی صنعت کی زوال پذیری، خواتین کی بڑھتی ہوئی شرکت، اور عالمی منڈیوں سے وابستگی شامل ہیں۔1960 کی دہائی کے بعد، مبارک پور کی معیشت کا مرکز ریشمی ساڑیوں کی تیاری رہا، جو قومی اور بین الاقوامی سطح پر مقبول تھیں۔ تاہم، وقت کے ساتھ ساتھ، پاور لومز کے بڑھتے ہوئے استعمال اور صنعتی تبدیلیوں نے ہاتھ سے بنے کپڑوں کی مانگ کو متاثر کیا، جس سے مقامی صنعت کو نقصان پہنچا۔ معاشی دباؤ، بے روزگاری، اور تعلیم کی کمی جیسے عوامل نے خواتین کو دستکاری کے شعبے میں کام کرنے پر مجبور کیا۔ ایک مطالعے کے مطابق، خواتین کی بڑی تعداد نے اقتصادی ضروریات کی بنا پر اس صنعت میں قدم رکھا، جس سے ان کی معاشی حالت میں بہتری آئی۔

**حوالہ جات:**

- جے۔ سی۔ رے، "ٹیکسٹائل انڈسٹری"۔ جرنل آف بنگال اینڈ اوڈیسا ریسرچ سوسائٹی۔ حصہ سوم، جلد 3،، صفحات 186-181،207-206۔(1917)

جے۔ سی۔ رے کی اس تحریر میں 1917 کے دوران بنگال اور اڑیسہ میں ٹیکسٹائل صنعت کی حالت پر تحقیق کی گئی ہے۔ یہ مضمون ہاتھ سے بنے کپڑوں، ان کی تیاری کے طریقے، استعمال ہونے والے خام مال اور مزدوروں کی معاشی حالت کے تجزیے پر مبنی ہے۔

- اے۔ یوسف علی۔اے مونوگراف آن سلک فیبرکس پروڈیوسڈ ان دی نارتھ ویسٹرن پروونسز اینڈ اودھ۔ (شمال مغربی صوبوں اور اودھ میں تیار کردہ ریشمی کپڑوں پر ایک مونوگراف)۔الہ آباد، 1900ء۔ صفحات 102-103؛

اے۔ یوسف علی نے اپنے مونوگراف میں شمالی ہند کے ریشمی کپڑوں کی تفصیل بیان کی ہے، جن میں مبارک پور کی مخصوص بُنائی اور ڈیزائنز کا ذکر ہے۔

- قاضی اطہر مبارک پوری۔ تذکرہ تذکرہ علماے مبارک پور

قاضی اطہر مبارک پوری نے اپنے تذکرے میں مبارک پور کے علما کے ساتھ ساتھ یہاں کی معاشرتی اور اقتصادی زندگی، خاص طور پر دستکاری کی صنعت پر بھی روشنی ڈالی ہے۔

- پنکج راگ، (مقالہ) 1857: نیڈ فار الٹرنیٹیو سورسز۔ (مجلہ)سوشل سائنٹسٹ، جلد 26، شمارہ 1-4، جنوری-اپریل 1998، صفحہ 123۔

پنکج راگ کے اس مضمون میں 1857 کی بغاوت کے بارے میں نئی تحقیق کی ضرورت پر زور دیا گیا ہے جس میں مقامی تاریخی ذرائع اور عوامی بیانیے کو رسمی نوآبادیاتی ریکارڈ کے ساتھ ملانے کی کوشش کی گئی ہے۔

- جے۔ آر۔ ریڈ۔ رپورٹ آن دی سٹلمنٹ آپریشن ان دی ڈسٹرکٹ آف اعظم گڑھ (ضلع اعظم گڑھ میں تصفیہ کی کارروائیوں کی رپورٹ) صفحہ 148۔

یہ رپورٹ برطانوی دور میں ضلع اعظم گڑھ میں زمین کی تقسیم، محصولات، اور دیہی معیشت کے سروے پر مبنی ہے، جس میں کسانوں، دستکاروں، اور زمین داروں کی معاشی حالت کا تجزیہ شامل ہے۔

- گیانندر پانڈے۔اکونومک ڈس لوکیشن ان نائنٹینتھ سنچری ایسٹرن یوپی۔(انیسویں صدی کے مشرقی اتر پردیش میں معاشی انقطاع"۔ مجلہ "رورل ساؤتھ ایشیا" لندن، 1983، صفحات 89-129؛

گیانندر پانڈے نے مشرقی اتر پردیش میں انیسویں صدی کے دوران ہونے والے معاشی انقطاع اور دیہی اقتصادی ڈھانچے کی تبدیلی کا گہرا تجزیہ پیش کیا ہے۔ وہ بتاتے ہیں کہ کس طرح نوآبادیاتی پالیسیوں، محصولات کی زیادتی، اور صنعتی سامان کی درآمد نے روایتی دستکاری، خاص طور پر جولاہوں کی معیشت کو شدید متاثر کیا

- گیانندر پانڈے۔ دی کنسٹرکشن آف کمیونلزم ان کولونیل نورتھ انڈیا۔(نوآبادیاتی شمالی ہندوستان میں فرقہ واریت کی تشکیل) دہلی، 1990۔

اس کتاب میں، وہ فرقہ واریت کو نوآبادیاتی سماجی تعمیر کا نتیجہ قرار دیا گیا ہے، اور بتایا گیا ہے کہ معاشی زوال اور شناختی سیاست کے امتزاج نے مذہبی تفریق کو ہوا دی۔

- ایف. ایچ. فشر۔ اسٹیٹسٹیکل ڈیسکرپٹیو اینڈ ہسٹوریکل اکاؤنٹ.....اعظم گڑھ۔( شماریاتی، توضیحی و تاریخی خاکہ....اعظم گڑھ)صفحات 171-172۔

ایف۔ ایچ۔ فشر کی یہ کتاب انیسویں صدی کے وسط میں ضلع اعظم گڑھ کی معاشرتی و اقتصادی صورتِ حال پر مبنی ہے۔ صفحات 172-171 پر وہ مبارک پور کا ذکر کرتے ہیں جہاں ریشمی کپڑا بنانے کی صنعت بہت نمایاں تھی۔ انھوں نے فنی مہارت، تجارتی راستوں، اور مقامی منڈیوں کی تفصیل بھی پیش کی ہے اور واضح کیا ہے کہ کس طرح ان صنعتوں کو زوال پذیر پالیسیوں نے نقصان پہنچایا۔

- ڈی. ایل. ڈریک بروک مین۔ اعظم گڑھ: ایک گزٹیر، صفحہ 62۔

ڈریک بروک مین نے اعظم گڑھ کے مختلف قصبوں، خصوصاً مبارک پور، کی سماجی و اقتصادی زندگی کا مفصل تذکرہ کیا ہے۔ صفحہ 62 پر وہ مبارک پور کی ریشمی صنعت، بنکروں کی آبادی، اور ان کے مخصوص طرزِ معاشرت پر روشنی ڈالتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ مبارک پور کا کپڑا پورے شمالی ہند میں مشہور تھا اور یہاں کی صنعت مقامی ہنر و کاریگری پر مبنی تھی۔

- مبارک پور فساد کیس، محکمہ سیاسیات کی کارروائیاں. جنوری 1905. سلسلہ نمبر 10، فائل نمبر 1904/254، بکس نمبر 662، یو۔ پی۔ اسٹیٹ آرکائیوز۔

یہ ایک سرکاری ریکارڈ ہے جو 1904 کے اواخر میں مبارک پور میں پیش آنے والے فرقہ وارانہ فساد سے متعلق ہے۔ فائل میں درج گواہیوں، انتظامی رپورٹوں اور مقامی سماجی تناؤ کی تفصیلات محفوظ ہیں۔ کیس میں بتایا گیا کہ معمولی مذہبی رسومات کے دوران پیدا ہونے والی چپقلش نے کس طرح بڑے فساد کی شکل اختیار کی، اور کس طرح پولیس و نوآبادیاتی حکومت نے صورتِ حال پر قابو پایا۔ یہ مواد اس بات کو سمجھنے میں مدد دیتا ہے کہ برطانوی راج میں مقامی اختلافات کو کس طرح سے "سیاسی خطرہ" تصور کیا جاتا تھا۔

- عبد المجید کی ڈائری بحوالہ مولانا قمر الزماں مبارک پوری۔ اندراج: 10 اگست 1919، (1902–1934؟)

یہ ایک ذاتی ڈائری کا اندراج ہے جو عبد المجید نے غالباً 10 اگست 1919 کو لکھا تھا۔ اگرچہ مکمل مخطوطہ غیر مطبوعہ ہے، مگر یہ تحریر 1902 سے 1934 کے درمیانی عرصے کا احاطہ کرتی ہے۔ یہ مخطوطہ مولوی قمر الزماں مبارک پوری کے پاس محفوظ تھا، ان کے انتقال کے بعد اب یہ کہاں ہے، اس کے بارے میں کوئی خبر نہیں۔

یہ ڈائری مقامی سطح پر برادری کی سماجی، مذہبی اور سیاسی زندگی کا گہرا عکس پیش کرتی ہے، خاص طور پر 1919 کے آس پاس کے دنوں میں جب تحریک خلافت، عدم تعاون، اور مقامی ہنگامہ خیز حالات ملک بھر کی طرح یہاں بھی شدت اختیار کر چکے تھے۔

- آر. آئی. ورما۔ سلک ٹکسٹائل انڈسٹری ان اتر پردیش وتھ اسپیشل ریفرنس ٹو مبارک پور، اعظم گڑھ ہینڈی کرافٹ سروے مونوگراف نمبر 7۔

آر. آئی. ورما نے اس مونوگراف میں اتر پردیش کی ریشمی صنعت کا تفصیلی جائزہ پیش کیا ہے، جس میں خاص طور پر مبارک پور، ضلع اعظم گڑھ پر توجہ مرکوز کی گئی ہے۔ یہ مطالعہ 1961 کی مردم شماری کے تحت دستکاری کی صنعتوں کے ایک سروے کا حصہ ہے، جو ہنڈی کرافٹس سروے مونوگراف نمبر 7 کے طور پر شائع ہوا۔ صفحہ 9-10 پر مبارک پور مبارک پور کو ریشمی کپڑے کی تیاری کا ایک پرانا اور مشہور مرکز قرار دیا گیا ہے۔ لکھا گیا ہے کہ یہاں تیار ہونے والے کپڑے نہ صرف ریاست کے اندر بلکہ بیرونِ ریاست بھی بھیجے جاتے تھے۔ انھوں نے لکھا کہ اگرچہ مبارک پور میں ریشم کی صنعت ایک روایتی پیشہ ہے، لیکن بیسویں صدی کے وسط میں اسے مختلف معاشی چیلنجز کا سامنا تھا، جیسے کہ: خام مال کی قیمتوں میں اضافہ، جدید مشینری کی کمی، بازار تک رسائی میں رکاوٹیں، اور روایتی ہنر مندوں کی کم آمدنی۔ رپورٹ میں یہ بھی درج ہے کہ اگر حکومت اور نجی شعبے کی طرف سے مناسب تعاون ملے تو مبارک پور میں ریشم کی صنعت کو دوبارہ فروغ دیا جا سکتا ہے۔ ◘

**حفظان صحت**

# یونانی طریقۂ علاج — ایک قدیم روایت

**ڈاکٹر ام فرح (ایم ڈی)**

یونانی طب، جسے "یونانی طریقۂ علاج" بھی کہا جاتا ہے، دنیا کے قدیم ترین اور جامع ترین طبی نظاموں میں سے ایک ہے۔ اس کا آغاز قدیم یونانی طب سے ہوا، لیکن وقت کے ساتھ ساتھ اس میں فارسی، عربی اور ہندوستانی طبی روایات کے اصول بھی شامل ہوتے گئے۔ "یونانی" لفظ عربی زبان سے ماخوذ ہے، جو اس نظام کے یونانی پس منظر کو ظاہر کرتا ہے۔ آج یونانی طب دنیا کے کئی ملکوں میں رائج ہے، خاص طور پر برّ صغیر (ہندوستان، پاکستان، بنگلہ دیش)، مشرقِ وسطیٰ اور افریقہ کے کچھ حصوں میں۔

## یونانی طب کی ابتدا اور ارتقاء:

یونانی طب کی ابتدا قدیم یونانی طبیب بقراط (Hippocrates) سے منسوب ہے، جنھیں مغربی طب کا بانی بھی کہا جاتا ہے۔ ان کا نظریہ تھا کہ انسانی صحت کا انحصار جسم کے چار اہم اخلاط — خون، بلغم، صفرا اور سودا — کے توازن پر ہوتا ہے۔ اگر ان میں عدم توازن پیدا ہو جائے تو بیماری لاحق ہو سکتی ہے۔

یونانی طب کو بعد میں کئی اسلامی علما نے مزید ترقی دی، جن میں ابنِ سینا، الرازی اور ابن القف جیسے مشہور نام شامل ہیں۔ ابنِ سینا کی کتاب "القانون فی الطب"، جو گیارہویں صدی میں لکھی گئی، یونانی طب کی ایک نہایت اہم کتاب ہے، اس میں بیماریوں کی تفصیلات، تشخیص اور علاج کے طریقے درج ہیں۔ قرونِ وسطیٰ کے دور میں یہ نظام عرب دنیا، فارس اور جنوبی ایشیا میں پھیلا، جہاں اس نے مقامی طبی علوم اور روایات کو بھی اپنے اندر جذب کر لیا۔

## طب کا یونانی تصور:

یونانی اطبا کا ماننا ہے کہ انسانی جسم کی صحت ایک مخصوص قوت کے ذریعے قائم رہتی ہے جسے طبیعت یا قوّتِ مدبّرۂ بدن (جسے لاطینی میں Medicatrix Naturae کہا جاتا ہے) کہا جاتا ہے۔ یہ ایک ایسی فطری طاقت ہے جو انسان کو اُس کے خالق کی جانب سے ودیعت کی گئی ہے۔ طبیعت کا تصور محض جسم کے مدافعتی نظام سے کہیں زیادہ وسیع ہے، یہ نہ صرف جسمانی نظاموں کو کنٹرول اور منظم کرتی ہے بلکہ انھیں بحال بھی کرتی ہے اور جسم کی قوتِ مدافعت کو بڑھا کر بیماریوں کے خلاف مزاحمت میں مدد دیتی ہے۔ جب یہ فطری قوت دبا دی جاتی ہے تو بیماری پیدا ہوتی ہے۔

لہٰذا، یونانی طبیب کا کام یہ ہے کہ وہ ایسے طریقے اور علاج استعمال کرے جو جسم کی اپنی فطری شفایابی کی صلاحیت (طبیعت) کو ابھاریں۔ یہ عمل **حرارتِ غریزیہ** (یعنی جسم کی داخلی زندگی بخش قوت) کو متحرک کر کے ممکن ہوتا ہے، جو بیماری کی حالت میں کمزور پڑ جاتی ہے اور انسان کو ماحول یا دیگر مضر اثرات کے مقابلے میں کمزور بنا دیتی ہے۔

## یونانی طب کے بنیادی اصول:

یونانی طب کے مطابق، انسانی جسم ایک وحدت (یعنی اکائی) ہے جو سات عناصر پر مشتمل ہے جنھیں "امورِ طبیعہ" کہا جاتا ہے۔ یہ سات اجزا درج ذیل ہیں:

**1- ارکان** (عناصر)

**2- مزاج** (طبیعت)

**3- اخلاط** (بدن کے رطوباتی اجزاء)

**4- ارواح** (زندگی بخش قوتیں)

5-**اعضاء**(جسمانی اعضا)
6-**قویٰ**(صلاحیتیں یا قویٰ)
7-**افعال**(افعالِ جسمانی)

یونانی فلسفہ کے مطابق، جسم چار بنیادی عناصر؛ **خاک، ہوا، پانی، اور آگ** سے مل کر بنا ہے۔ ان عناصر کے اپنے اپنے مزاج ہوتے ہیں:

○خاک: سرد و خشک ○ہوا: گرم و تر
○پانی: سرد و تر ○آگ: گرم و خشک

جب یہ عناصر آپس میں ملتے ہیں تو ایک نیا مرکب وجود میں آتا ہے جس کا مزاج ان کی آمیزش کے مطابق ہوتا ہے، جیسے کہ: **گرم تر، گرم خشک، سرد تر، سرد خشک**۔

جسم میں موجود سادہ اور مرکب اعضا اپنی غذا چار **اخلاط** کے ذریعے حاصل کرتے ہیں:

○**دم (خون)** -گرم و تر ○**بلغم** -سرد و تر
○**صفرا** -گرم و خشک ○**سودا** -سرد و خشک

ہر انسان کا ایک مخصوص **مزاج** ہوتا ہے جو اس کے جسم میں پائے جانے والے اخلاط کے غالب ہونے پر منحصر ہوتا ہے، اور یہی مزاج اُس کی صحت کی نمائندگی کرتا ہے۔ انسان کے مزاج کی چار بڑی اقسام ہیں:

- **دموی**(Sanguine)
- **بلغمی**(Phlegmatic)
- **صفراوی**(Choleric)
- **سوداوی**(Melancholic)

یونانی طبیب کے نزدیک صحت اُس وقت حاصل ہوتی ہے جب اخلاط اور جسم کے افعال میں مکمل توازن ہوتا ہے۔ اس توازن کو قائم رکھنے کے لیے جسم میں ایک فطری قوت موجود ہوتی ہے جسے **قوتِ مدبرۂ بدن** کہا جاتا ہے۔ جب یہ قوت کمزور پڑتی ہے تو اخلاط کے توازن میں کمی یا زیادتی آجاتی ہے، یا ان کی نوعیت بدل جاتی ہے، جس کے نتیجے میں جسمانی نظام متاثر ہوتا ہے اور بیماری پیدا ہوتی ہے۔

یونانی طبیب کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ وہ بیماری کی بنیادی وجہ—یعنی اخلاط کے بگاڑ—کو تلاش کرے تاکہ اُسے درست کر کے صحت بحال کی جا سکے۔ اخلاط کا بگاڑ بیرونی عوامل (جیسے چوٹ، ناقص غذا، موسم وغیرہ) یا اندرونی عوامل (جیسے ناقص ہضم) یا دونوں کی وجہ سے ہو سکتا ہے۔

### اخلاطی بیماریوں کی علامات:

**غلبۂ خون:(Sanguine Humour)**

جب جسم میں خون کی زیادتی ہو جائے تو جلد سرخی مائل ہو جاتی ہے، رگیں نمایاں ہو جاتی ہیں، نبض بھری ہوئی محسوس ہوتی ہے اور پیشاب گاڑھا اور رنگ دار ہو جاتا ہے۔ مریض کو سانس لینے میں دقت، سر درد اور خواب میں خون دیکھنے کی شکایت ہوتی ہے۔

**غلبۂ بلغم:(Phlegm Humour)**

جب جسم میں بلغم کی زیادتی ہو تو جلد سفید اور ٹھنڈی ہو جاتی ہے، نبض دھیمی اور گہری ہو جاتی ہے، پیشاب گاڑھا اور بے رنگ ہوتا ہے۔ مریض بھولنے، بھوک کی کمی، زیادہ نیند، سستی اور خواب میں پانی دیکھنے کی شکایت کرتا ہے۔

**غلبۂ صفرا:(Choler Humour)**

صفرا کے غلبے کی صورت میں جلد زردی مائل ہو جاتی ہے، نبض معمول سے تیز ہو جاتی ہے اور پیشاب گہرے رنگ کا ہوتا ہے۔ مریض بلا وجہ چڑچڑا محسوس کرتا ہے اور اسے سر درد، نیند کی خرابی، حلق میں کڑواہٹ اور خواب میں آگ، بجلی، غصہ اور لڑائی جھگڑے کے مناظر دکھائی دیتے ہیں۔

**غلبۂ سودا:(Melancholer Humour)**

جب جسم میں سودا کی زیادتی ہو جاتی ہے تو جلد کھردری ہو جاتی ہے، نبض کمزور ہو جاتی ہے اور پیشاب پتلا ہو جاتا ہے۔

مریض کو بھوک کی کمی اور حلق میں کھٹاس کی شکایت ہوتی ہے۔ مریض بے معنی خیالات میں الجھا رہتا ہے اور بلاوجہ خوف محسوس کرتا ہے۔

**اخلاط میں عدم توازن کی چار صورتیں ہوتی ہیں:**

1. **رقتِ خلط** :(Riqqat-e-Khilt) خلط کی کثافت کم ہوکر وہ پتلا ہوجاتا ہے۔
2. **غلظتِ خلط** :(Ghilzat-e-Khilt) خلط گاڑھا ہوجاتا ہے۔
3. **غلبۂ خلط** :(Ghalba-e-Khilt) خلط ضرورت سے زیادہ فعال ہوجاتا ہے۔
4. **عفونتِ خلط** :(Afunat-e-Khilt) خلط سڑ گل جاتا ہے (خراب ہوجاتا ہے)۔

**علاج:**

یونانی طب میں تشخیص کے لیے جن امور کا جائزہ لیا جاتا ہے ان میں نبض کی رفتار، قوت، وسعت اور گہرائی، اور پیشاب وپاخانے کا رنگ، بو، مقدار اور اجزا شامل ہیں۔ ساتھ ہی پیشاب میں موجود ذرات کا بھی مشاہدہ کیا جاتا ہے۔

جب مرض کی وجہ کی تصدیق ہو جاتی ہے تو یونانی طبیب علاج کا آغاز ایسی خوراک (اغذیہ) یا دوا (ادویہ) تجویز کرکے کرتا ہے جن کا مزاج متاثرہ عضو یا نظام کی غیر معمولی حالت کے برعکس ہوتا ہے۔

یہ بات اہم ہے کہ ہر یونانی غذا یا دوا کا اپنا مخصوص مزاج ہوتا ہے جسے **مزاجِ غذا یا مزاجِ دوا** کہا جاتا ہے۔

یونانی طب میں علاج کی مختلف اقسام درج ذیل ہیں:

**علاج بالغذا:** اس طریقہ علاج میں مخصوص بیماریوں کو خوراک کے ذریعے قابو میں لایا جاتا ہے اور خوراک کے معیار ومقدار کو منظم کیا جاتا ہے۔

**علاج بالتدبیر:** اس میں وہ طریقے شامل ہیں جیسے فصد (خون نکالنا)، حجامہ (کپنگ)، تعریق (پسینہ لانا)، ادرار البول (پیشاب آور علاج)، غسل، مالش، داغ دینا، مسہل، قے دلانا، ورزش، اور جونکیں لگانا وغیرہ۔

**علاج بالدوا:** اس میں قدرتی طور پر پائی جانے والی ادویات شامل ہوتی ہیں جو پودوں، حیوانات اور معدنیات سے حاصل کی جاتی ہیں اور تنہا یا مرکب صورت میں استعمال ہوتی ہیں۔

**علاج بالید:** یہ علاج تب تجویز کیا جاتا ہے جب مرض بہت زیادہ بڑھ جائے اور دیگر طریقے ناکافی ہوں۔

مناسب طریقۂ علاج کا انتخاب صحت کی عمومی حالت سے انحراف کی شدت پر منحصر ہوتا ہے۔ اگر بیماری کی شدت کم ہو تو صرف غذا سے علاج کافی ہوتا ہے۔ لیکن اگر انحراف زیادہ ہو اور غذا سے مکمل افاقہ نہ ہو تو دوا کے ساتھ علاج کیا جاتا ہے۔ بعض اوقات تدبیری علاج اور جراحی (آپریشن) بھی غذا اور دوا کے ساتھ ضروری ہوتے ہیں۔

**علاج بالغذا:**

اگر کسی بیماری کا علاج صرف غذا کے ذریعے ممکن ہو تو دوا کا استعمال نہیں کرنا چاہیے۔ اکثر امراض مخصوص غذاؤں کے استعمال یا خوراک کی مقدار و معیار کو منظم کرکے بخوبی ٹھیک کیے جاسکتے ہیں۔ مثلاً، ٹھنڈا پانی ان افراد کے لیے مفید ہوتا ہے جن کا مزاج گرم ہو، لیکن وہ افراد جن کا مزاج سرد وتر ہو، ان کے لیے یہی پانی نقصان دہ ہوسکتا ہے۔

اسی طرح، اگر مریض کو زیادہ پیاس لگتی ہو، جو کہ گرم مزاج کی علامت ہے، تو ایسی غذا استعمال کی جائے جس کا مزاج سرد ہو، جیسے **کھرفہ** (Portulaca oleracea)۔ لیکن اگر مریض کو سردی کی وجہ سے کھانسی (سعال) ہو رہی ہو تو ایسی ٹھنڈی غذائیں اس کی حالت کو مزید بگاڑ سکتی ہیں، اور گرم مزاج والی غذا مریض کے لیے زیادہ فائدہ مند ہوگی۔

بعض غذائیں اپنی غذائیت کے علاوہ دواؤں جیسے اثرات بھی رکھتی ہیں، مثلاً **چقندر** (Beta vulgaris) کو بطور مُلیّن (قبض کشا) استعمال کیا جاتا ہے۔

علاوہ ازیں، اگر انسانی جسم کے کسی خاص عضو میں کمزوری ہو تو اُسی عضو کا جانور سے ماخوذ جز استعمال کیا جا سکتا ہے، جیسے گردوں کے مریضوں کے لیے **بکری کے گردے کی یخنی** مفید سمجھی جاتی ہے، خاص طور پر دائمی گردوں کی خرابی کی صورت میں۔

**علاج بالدوا:**

اگر مرض کی شدت معمولی سطح سے کہیں بڑھ چکی ہو اور صرف غذا کے ذریعے علاج ممکن نہ ہو تو پھر دوا کے ساتھ علاج بھی تجویز کیا جاتا ہے۔ یہ ادویات نباتات، معدنیات یا حیوانات سے حاصل کی جا سکتی ہیں۔ یونانی اطباء نے دوا کے استعمال سے متعلق چند اصول بیان کیے ہیں:

○ **مزاجِ دوا:** یونانی طب کے مطابق ہر دوا کا ایک مخصوص مزاج ہوتا ہے، جو اس کے اجزاء کی نوعیت پر منحصر ہوتا ہے۔ دوا کا مزاج عام طور پر پانچ قسموں میں بیان کیا جاتا ہے: گرم، سرد، خشک، تر، اور بعض اوقات معتدل (neutral)۔ ایک دوا ایک وقت میں مثلاً گرم و خشک، گرم و تر، سرد و خشک یا سرد و تر ہو سکتی ہے۔

کسی مرض میں جو دوا استعمال کی جائے، اس کا مزاج اس عضو کے مزاج کے برعکس ہونا چاہیے جو اس بیماری کا سبب بن رہا ہو۔

**درجاتِ دوا:** یہ چاروں مزاجی اقسام (گرم، سرد، تر، خشک) مزید چار درجات میں تقسیم کی جاتی ہیں: پہلا درجہ سب سے کمزور ہوتا ہے جب کہ چوتھا درجہ سب سے زیادہ طاقتور۔

مثال کے طور پر **افیون** کا لعاب (لیٹکس) مزاج کے لحاظ سے **سرد چوتھے درجے کا اور خشک چوتھے درجے کا** ہوتا ہے، جبکہ اسی پودے کا پھل **پوستِ خشخاش** مزاج میں **سرد دوسرے درجے کا اور خشک دوسرے درجے کا** سمجھا جاتا ہے۔

دوا کی درجہ بندی کا انتخاب مرض کی شدت کو دیکھ کر کیا جاتا ہے۔ اگر بیماری شدید ہو تو زیادہ درجے والی دوا تجویز کی جاتی ہے۔

**علاج بالتدبیر:**

یونانی اطبا سادہ جسمانی طریقوں سے بیماری کا علاج کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ تاہم بعض مخصوص اور پیچیدہ امراض کے لیے خاص طریقہ کار تجویز کیے گئے ہیں۔ یہ طریقے **علاج بالغذا** اور **علاج بالدوا** کے ساتھ معاون طور پر استعمال کیے جاتے ہیں۔ چند مشہور تدابیری طریقۂ علاج درج ذیل ہیں:

○ **ریاضت: (Exercise)**

کسی بھی قسم کی جسمانی مشق — چاہے وہ سخت ہو، درمیانی ہو یا ہلکی — جسم پر مختلف اثرات مرتب کرتی ہے۔ درمیانی درجے کی ریاضت **حرارتِ غریزیہ** (یعنی جسم کی داخلی قوتِ حیات) کو بڑھاتی ہے، فضلات کو پیشاب، پاخانے یا پسینے کے ذریعے جسم سے خارج کرتی ہے، اعضاء کو مضبوط بناتی ہے اور بھوک کو تیز کرتی ہے۔

○ **دَلک: (Massage)**

جسم کے نرم خارجی حصوں پر دباؤ ڈالنے یا رگڑنے کے مختلف طریقے، جیسے ہاتھ یا کسی کھردرے کپڑے سے مالش کرنا، چٹکیاں لینا، دبانا، تھپتھپانا، لرزانا یا حرکات دینا، یہ سب دَلک میں شامل ہیں۔ یہ عمل تیل، کریم، لوشن، مرہم یا کسی اور مشابہ مواد کے ساتھ یا بغیر بھی کیا جا سکتا ہے۔ یونانی طب میں مختلف اقسام کی مالش کی تفصیل دی گئی ہے، مثلاً: سخت مالش، نرم مالش، طویل مالش، معتدل مالش

یہ تھراپی دورانِ خون، لمفی نظام، عضلاتی نظام، ہڈیوں اور اعصابی نظام کی کارکردگی کو بہتر بناتی ہے اور چوٹ یا بیماری سے صحت یابی کے عمل کو تیز کرتی ہے۔ مالش عضلات کو ڈھیلا کرتی ہے، دورانِ خون بڑھاتی ہے اور جسم سے فاضل مادوں کو

خارج کرتی ہے۔ یہ طریقہ علاج ان بیماریوں یا کیفیات میں مفید ہے جیسے بے چینی، تناؤ، ڈپریشن، بے خوابی، ذہنی دباؤ، کمر درد، سر درد، پٹھوں کا درد اور بعض دائمی درد کی اقسام۔

- سخت رگڑ یا مالش جسم کو مضبوط بناتی ہے۔
- نرم مالش جسم کو سکون دیتی ہے۔
- طویل مالش جسم کی چربی کم کرتی ہے اور کمزور یا قبل از وقت پیدا ہونے والے بچوں میں وزن بڑھانے میں مدد دیتی ہے۔

○ **فصد-خون نکالنا:**

یہ ایک جراحی (سرجیکل) عمل ہے جس میں کسی خون کی رگ، خصوصاً ورید (vein)، کو چاقو یا مخصوص آلہ سے چیر کر زائد یا فاسد خون نکالا جاتا ہے۔ اس عمل کے ذریعے خون کی رگ میں موجود غیر معمولی یا فاسد اخلاط کو متناسب انداز میں خارج کیا جاتا ہے۔

○ **حجامہ:**

یہ طریقہ مقامی فاسد مادوں کو خارج کرنے یا ان کے بہاؤ کو دوسری طرف منتقل کرنے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ اس میں کسی بیمار حصے کی جلد پر سینگ یا پیالہ اس طرح چپکا دیا جاتا ہے کہ اندر منفی دباؤ (vacuum) پیدا ہو جائے، جس کے لیے عام طور پر حرارت یا سکشن استعمال کی جاتی ہے۔ ماضی میں سینگ استعمال ہوتے تھے، اب ان کی جگہ شیشے کے کپ استعمال کیے جاتے ہیں، اسی لیے اب اس عمل کو "کپنگ" (Cupping) کہا جاتا ہے۔

○ **تعلیق یعنی جونک لگانا:**

یہ ایک انوکھا اور مؤثر طریقہ ہے جس میں جونک کے ذریعے جسم سے **موادِ فاسدہ** (یعنی فاسد مادے) کو نکالا جاتا ہے۔ خاص طور پر جلدی اور سوزشی بیماریوں میں یہ طریقہ بہت مفید سمجھا جاتا ہے۔

○ **کَیّ-داغ دینا:**

یہ ایک مؤثر طریقہ علاج ہے جس کے ذریعے مختلف مسائل کا علاج کیا جاتا ہے، مثلاً: ناسور اور زخموں کا خاتمہ، سڑنے والے مادوں کو نکالنا، خون کے بہاؤ کو روکنا۔

یونانی اطبا نے "مکو" (Cauterant) یعنی داغنے والے آلے کو سونے سے تیار کرنے کو ترجیح دی ہے۔ یہ طریقہ جلد کے زخم، مسّے، تل یا دیگر نمو جیسے مسائل کے علاج کے لیے بھی استعمال کیا جاتا ہے۔

## علاج بالید- جراحی:

یونانی اطبا نے جراحی (سرجری) کے مختلف طریقوں کی مفصل وضاحت کی ہے۔ جب تمام دیگر طریقہ ہائے علاج ناکام ہو جائیں یا مؤثر ثابت نہ ہوں تو پھر جراحی کا سہارا لیا جاتا ہے۔

## یونانی طب کا جدید طب میں کردار:

اگرچہ یونانی طب کی جڑیں قدیم زمانے میں پیوست ہیں، لیکن آج بھی یہ کئی ممالک، خصوصاً **ہندوستان، پاکستان** اور **بنگلہ دیش** میں رائج اور مقبول ہے۔ عالمی ادارۂ صحت (WHO) نے اسے تسلیم کیا ہے اور ہندوستان میں یہ **نیشنل رورل ہیلتھ مشن** (National Rural Health Mission) کا حصہ بھی ہے۔ یونانی طب اکثر جدید طب کے ساتھ معاون یا تکمیلی علاج کے طور پر استعمال کی جاتی ہے، خاص طور پر **دائمی امراض** (chronic diseases) اور **احتیاطی تدابیر** کے طور پر۔ یہ ایک متبادل یا تکمیلی علاج فراہم کرتی ہے، جس کی بنیاد **شخصی توجہ، قدرتی ادویات اور طرزِ زندگی میں بہتری** پر ہے۔

یونانی طریقہ علاج ایک منفرد اور جامع (holistic) نقطۂ نظر فراہم کرتا ہے، جس کی بنیاد **اخلاط کے توازن، قدرتی ادویات کی افادیت** اور **جسم، ذہن اور روح کی باہمی ہم آہنگی** پر ہے۔ اگرچہ آج کے دور میں یہ بعض چیلنجز کا سامنا کر رہا ہے، مگر اس کا **علمی ورثہ** اور **تکمیلی علاج کی صلاحیت** اسے آج بھی دنیا بھر کے نظامِ صحت میں ایک اہم مقام عطا کرتی ہے۔ ■■

چراغ خانہ

# موبائل بچوں کے لیے دو دھاری تلوار

محمد شاہد علی مصباحی

آج کل دنیا ایک ڈیجیٹل گاؤں بن چکی ہے۔ جدید ٹیکنالوجی کے چلتے علم و آگہی کی ندیاں ہر کس و ناکس کی انگلیوں کی پوروں پر بہ رہی ہیں۔ ہمارے ہاتھوں میں پائے جانے والے معمولی سے موبائل فون نے رابطے کی دنیا کو یکسر بدل کر رکھ دیا ہے۔

یہ ایک چھوٹا سا آلہ، جو ابتداءً محض گفتگو کا ذریعہ تھا، وہ آج علم، تجارت، تفریح کے ساتھ ہر طرح کے مواد کا محور بن چکا ہے۔ مگر جیسے ہر پھول کے ساتھ کانٹا، ہر چراغ تلے اندھیرا ہوتا ہے، ویسے ہی موبائل کی روشن نظر آنے والی دنیا بھی بعض اوقات بچوں کی معصومیت کو جلا کر راکھ کر دیتی ہے۔

## موبائل فون سے ہونے والے نقصانات:

بچپن، زندگی کا وہ سنہرا دور ہوتا ہے جس میں خیالات کا آسمان نیلگوں اور جذبات کا سمندر شفاف ہوتا ہے۔ مگر جب انھی ننھے ذہنوں پر موبائل کی رنگین دنیا کی چکا چوند چھا جاتی ہے، تو یہ روشنی بعض اوقات آنکھوں کی بینائی، ذہن کی پاکیزگی اور دل کی معصومیت کو چٹ کر جاتی ہے۔

موبائل کے استعمال کا سب سے پہلا اور نمایاں نقصان بچوں کی جسمانی صحت و تندرستی کو پہنچتا ہے۔ گھنٹوں اسکرین پر نظریں گاڑنے سے جہاں آنکھوں کی بینائی متاثر ہوتی ہے وہیں گردن اور ریڑھ کو نقصان پہنچتا ہے، نیند کی مقدار متاثر ہوتی ہے، اور سب سے بڑھ کر حرکت و ورزش کے ساتھ باہری اور میدان کے کھیلوں کا رجحان ختم ہو جاتا ہے۔ جو جسمانی کمزوری اور طرح طرح کی بیماریوں کی دعوت کا ذریعہ بنتا ہے۔

دوسرا بڑا نقصان بچے کے نفسیاتی پہلوؤں پر پڑتا ہے۔ موبائل گیمز اور سوشل میڈیا کے نشے میں چور بچہ نہ صرف بد مزاج اور چڑچڑا ہو جاتا ہے بلکہ موبائل کے ساتھ تنہائی پسند اور جذباتی طور پر غیر متوازن ہو جاتا ہے۔

انٹرنیٹ کی دنیا میں موجود نامناسب مواد بچوں کے اخلاق و کردار کو دیمک کی طرح چاٹتا ہے۔

بچے کی نشو و نما کا وہ قیمتی وقت جو تخلیقی سرگرمیوں، مطالعہ، گھر والوں کے ساتھ باہمی تعلقات یا ریاضتی کھیلوں میں صرف ہونا چاہیے تھا، وہ موبائل فون کی اسکرین کی کبھی نہ ختم ہونے والی اسکرولنگ کے بھنور کی بھینٹ چڑھ جاتا ہے۔

مشہور محاورہ ہے: "خربوزے کو دیکھ کر خربوزہ رنگ بدلتا ہے"۔ ٹھیک اسی طرح بچے موبائل پر جو دیکھتے ہیں، اس کا اثر ان کی سوچ، بول چال اور رویے میں صاف دیکھا جا سکتا ہے۔

اور اس طرح موبائل فون موبائل بچوں کے معصوم بچپن کے تعمیری خیالات کی دیوار کی بنیاد کو ٹھوس اور پائدار زمین دینے کے بجائے ظاہر و باطن کا فرق رکھنے والے دلدل نما مقام پر لا چھوڑتا ہے —اور اگر بنیاد دلدل پر رکھی گئی ہو تو عمارت کا انجام بتانے کی ضرورت نہیں...

**بچاؤ کے لیے کیا کر سکتے ہیں؟** ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم اس مسئلے کا حل تلاش کریں، نہ کہ صرف تنقید پر اکتفا کریں۔ سب سے پہلے تو والدین کو بیدار مغز اور ہوشیار ہونا ہوگا اور انھیں بچوں کے لیے فون کتنا مفید اور کتنا مضر ہے یہ بخوبی سمجھنا ہوگا۔

بچوں کو موبائل تھما کر ان کی نگرانی نہ کرنا ایسا ہی خطرناک ہے جیسے بچوں کو جنگلی درندوں اور خوبصورت مناظر سے بھرے جنگل میں تنہا چھوڑ کر چلا آنا۔

(باقی ص:49 پر)



Contact: 78692 90397

فکر و نظر

# سیرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے درخشاں نقوش

بزمِ دانش میں آپ ہر ماہ بدلتے حالات اور ابھرتے مسائل پر فکر و بصیرت سے لبریز نگارشات پڑھ رہے ہیں۔ ہم اربابِ قلم اور علماے اسلام کو دعوت دیتے ہیں کہ وہ دیے گئے موضوعات پر اپنی گراں قدر اور جامع تحریریں ارسال فرمائیں۔ غیر معیاری اور تاخیر سے موصول ہونے والی تحریروں کی اشاعت سے ہم قبل از وقت معذرت خواہ ہیں۔ از: **مبارک حسین مصباحی**

*ستمبر 2025 کا عنوان — مدارس کی تعلیم اور جدید تقاضے: چند اصلاحی تجاویز

*اکتوبر 2025 کا عنوان — اخلاقِ نبوی ﷺ اور آج کی مسلم قیادت

## اخلاقی محاسن و کمالات کے جامع

**از: مفتی محمد ساجد رضا مصباحی**

سید الشہداء حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نہ صرف رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جگر گوشہ، خاتون جنت سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے نورِ نظر، مولاے کائنات حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے جگر پارے اور خاندان نبوت کے چشم و چراغ تھے، بلکہ آپ تاریخ اسلام کی ایک عظیم شخصیت، امت مسلمہ کے لیے مشعل راہ، ملت اسلامیہ کے محافظ و پاسبان، کشتی امت کے ناخدا، حق و صداقت کے علم بردار، صبر و رضا کے پیکر اور قیامت تک کے متلاشیان حق کے لیے مینارۂ نور و ہدایت بھی تھے، اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ کی حیات مبارکہ کا ہر گوشہ درخشاں، ہر پہلو نمایاں اور ہر زاویہ تابندہ ہے۔ آپ علم و عمل، فضل و کمال، جود و سخا، زہد و ورع اور حلم و بردباری کے ساتھ تمام تر اخلاقی محاسن و کمالات کے جامع تھے۔

حضرت امام عالی مقام رضی اللہ عنہ کے ساتھ ارض کربلا میں پیش آنے والا الم ناک واقعہ اور وہاں کے قیامت خیز حالات میں آپ کی جرأت و استقامت، اسلامی نظام کے احیا کی خاطر اپنی اور اپنے اہل خانہ کی عظیم قربانی پیش کر کے ظالم و جابر حکمراں کے سامنے اعلاے کلمۃ الحق کی جو عظیم مثال آپ نے پیش کی اس کی نظیر انسانی تاریخ میں نظر نہیں آتی۔

سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ولادت 4ھ میں ہوئی، انھوں نے کائنات کی سب سے عظیم شخصیت کے آغوش شفقت میں تربیت پائی، وہ مصطفیٰ جان رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے چہیتے نواسے تھے، آقاے کائنات ﷺ آپ سے بڑی محبت فرماتے تھے، بلکہ ان کی محبت کو اپنی محبت قرار دیتے تھے، اس مضمون کی متعدّد احادیث کتب حدیث میں موجود ہیں، والد کریم شیر خدا مولا علی کرم اللہ وجہہ الکریم اور والدہ مشفقہ سیدہ فاطمۃ الزہرا کے زیر سایہ زندگی کا ایک اہم حصہ گزارا، نسبی اور خاندانی فضائل و کمالات اس پر مستزاد تھے، ایسے میں محاسن و کمالات کا ایک سمندر آپ کے اندر موج زن ہونا لازمی تھا، عام طور پر مورخین، تذکرہ نگاران اور واعظین واقعۂ کربلا کی روشنی میں آپ کی بے مثال قربانی اور صبر و رضا کے



استاذ و مفتی دار العلوم غریب نواز داہو گنج، منی پٹی، کشی نگر، یوپی

حوالے سے آپ کی عظمتوں کو بیان کرنے پر اکتفا کرتے ہیں، جب کہ آپ کی حیات مبارکہ کا ہر گوشہ بے شمار فضائل و کمالات سے پُر ہے۔ ابن اثیر لکھتے ہیں:

وكان الحسين رضي الله عنه فاضلا كثيرا لصوم والصلاة والحج والصدقة و افعال الخير جميعا. (ابن الاثیر، اسد الغابہ، ج:۲، ص:۲۳)

یعنی حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ بڑی فضیلت کے مالک، کثرت سے روزہ، نماز، حج ادا کرنے والے، صدقہ دینے والے اور تمام افعال خیر انجام دینے والے تھے۔

## حضرت امام عالی مقام اور کثرت عبادات:

حضرت امام عالی مقام کی حیات مبارکہ کا ایک اہم پہلو یہ بھی ہے کہ آپ زہد و ورع کے اعلیٰ مقام پر فائز تھے، عبادت گزاری اور خشیتِ الٰہی میں بھی امتیازی مرتبے کے حامل تھے۔

امام ذہبی نے "سیر اعلام النبلاء" میں لکھا:

كان من سادات الزهادو أئمة العباد.

(سیر أعلام النبلاء، ج:3، ص:289)

یعنی آپ زاہدوں کے سردار اور عبادت گزاروں کے امام تھے۔

حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شب بیداری اور تہجد سے خاص انسیت تھی۔ امام ابن عساکر نے اپنی کتاب "تاریخ دمشق" میں لکھا:

ما ترك صلاته الليل حتى يوم استشهاده۔

(تاریخ دمشق، ابن عساکر، ج:14، ص:217)

یعنی آپ نے اپنی زندگی میں کبھی تہجد کی نماز ترک نہ کی، حتیٰ کہ شہادت کے دن بھی نہیں۔

مشہور مؤرخ ابن کثیر نے "البدایہ والنہایہ" میں امام حسین رضی اللہ عنہ کی کربلا میں عبادت کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا:

طلب الحسين من القوم تأخير القتال ليلة ليصلّي و يدعو ربّه۔ (البدایہ والنہایہ، ابن کثیر، ج:8، ص:185)

یعنی حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے دشمن سے کہا کہ جنگ کو ایک رات مؤخر کر دو تاکہ میں نماز پڑھوں، دعا کروں اور اپنے رب سے مناجات کر سکوں۔

امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ، جو جلیل القدر محدث و مفسر ہیں، اپنی کتاب "تاریخ الخلفاء" میں امام حسین رضی اللہ عنہ کے بارے میں لکھتے ہیں:

كان عابدًا، فاضلًا، كثير الصوم والصلاة۔

(تاریخ الخلفاء، ص:207)

یعنی حضرت امام حسین عبادت گزار، فضیلت والے، اور کثرت سے روزے رکھنے اور نماز پڑھنے والے تھے۔

## عفو و درگزر:

حضرت امام عالی مقام رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے اخلاق و کردار اور عفو و درگزر جیسے اوصاف میں اپنے نانا جان مصطفیٰ جان رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے عکس جمیل تھے، آپ نے اپنے جانی دشمنوں کو بھی معاف فرما کر ان کے لیے ہدایت کی دعا فرمائی۔

علامہ شمس الدین ذہبی (متوفی ۷۴۸ھ) نے "سیر أعلام النبلاء" میں لکھا:

كان من سادات المسلمين، فقيهًا، سيدًا، كثير الصلاة والصوم والصدقة، عالِمًا، عابدًا، شجاعًا، جوادًا۔ (سیر أعلام النبلاء، ج:3، ص:289)

یعنی حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسلمانوں کے سردار، بڑے فقیہ، عبادت گزار، سخی، شجاع، اور معاف کرنے والے تھے۔

ابن کثیر نے "البدایہ والنہایہ" میں حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حر بن یزید ریاحی کے واقعے کو بیان کرتے ہوئے لکھا: فخرج إليه الحر بن يزيد، فوقف بين يدي الحسين وقال: هل لي من توبة؟ فقال الحسين: نعم، يتوب الله عليك، انزل۔

(البدایہ والنہایہ، ابن کثیر، ج:8، ص:185)

یعنی جب حر بن یزید نے توبہ کی تو حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: ہاں، اللہ تیری توبہ قبول فرمائے، ہمارے ساتھ آجاؤ۔

ابن کثیرہی کی روایت ہے کہ جب حر بن یزید اپنے لشکر کے ساتھ امام حسین رضی اللہ عنہ کے قافلے کے قریب پہنچا، تو حضرت امام حسین رضی اللہ نے ان سے کوئی شکوہ نہ کیا بلکہ ان کے سپاہیوں کو پانی پلایا:

فسقاه الحسين وأصحابه الماء، و حتى الخيول- (البدایہ والنہایہ، ج:8، ص:164)

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں نے ان کو پانی پلایا، حتیٰ کہ ان کے گھوڑوں کو بھی۔

ابن سعد اپنی مشہور کتاب "الطبقات الکبریٰ" میں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی دعا نقل کرتے ہیں، جب آپ نے میدانِ کربلا میں دشمنوں کی ہدایت کے لیے دعا کی:

اللهم اهدِ قومي فإنهم لا يعلمون۔

(الطبقات الکبری، ابن سعد، ج:5، ص:429)

اے اللہ! میری قوم کو ہدایت دے، کیوں کہ وہ نہیں جانتے۔

میدانِ کربلا میں جب آپ شدید زخمی ہو چکے تھے اور آخری لمحات میں تھے، تب بھی آپ نے کسی کو بد دعا نہ دی، بلکہ قرآن کی تلاوت، ذکر، اور دعا میں مشغول رہے۔ ابن عساکر اپنی کتاب تاریخ دمشق میں نقل کرتے ہیں:

فكان في آخر لحظاته يذكر الله ويقول: رضاك يا رب فوق كل رضا۔

(تاریخ دمشق، ابن عساکر، ج:14، ص:223)

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اپنی حیات کے آخری لمحات میں اللہ کو یاد کرتے رہے اور کہتے رہے: اے رب! تیری رضا ہر رضا سے بلند ہے۔

## حاجت مندوں کی مدد:

امام عالی مقام سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سخاوت اور فیاضی ورثے میں ملی تھی اس لیے کمال فیاضی اور ایثار کا مظاہرہ کرتے ہوئے خلقِ خدا کی حاجات کو پورا کرنا آپ کا معمول تھا۔

حافظ ابن عساکر نے ابوہشام القناد البصری کی زبانی یہ چشم دید نقل کی ہے کہ میں حضرت حسین بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہما کے پاس بصرہ سے سامان فروخت کے لیے لایا کرتا تھا۔ آپ باصرار مجھ سے قیمت کم کراتے، پھر میرے وہاں سے اٹھنے سے پہلے پہلے اس سامان کا زیادہ تر حصہ لوگوں کو عنایت فرمادیا کرتے۔ میں نے عرض کیا: اے شہ زادۂ رسول! میں آپ کے پاس بصرہ سے سامان لاتا ہوں، آپ باقاعدہ اصرار کرکے اس میں قیمت کم کراتے ہیں اور پھر میرے اٹھنے سے پہلے پہلے اس کا زیادہ تر حصہ لوگوں میں تقسیم بھی کر دیتے ہیں اس کی کیا وجہ ہے؟ آپ نے فرمایا: میرے والد گرامی نے مجھے یہ مرفوع حدیث سنائی تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

المخبون لا محمود و لا ماجور.

(ابن منظور، مختصر تاریخ دمشق لابن عساکر، ج:7، ص:115)

یعنی جو آدمی سودے یا لین دین میں دھوکا کھا جائے وہ قابلِ ستائش ہے نہ قابلِ اجر۔

ایک مرتبہ ایک سائل مدینہ منورہ کی گلیوں میں گھومتے ہوئے آپ کے دروازے پر پہنچا۔ دستک دی اور اپنی حاجت کا درج ذیل اشعار کی صورت میں یوں اظہار کیا:

لم يخب اليوم من رجاك ومن
حرك من خلف بابك الحلقه
وانت جود وانت معدنة
ابوك ما كان قاتل الفسقه

آج آدمی نامراد واپس نہیں جائے گا جو آپ کے پاس امید لے کر آیا ہے اور جس نے آپ کے دروازے کا حلقہ کھٹکھٹایا ہے آپ سراپا بخشش اور جود و کرم کی کان ہیں۔ آپ کے والد وہ عظیم شخص تھے جنھوں نے فاسقوں سے جنگ فرمائی تھی۔

حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ اس وقت نماز

میں مصروف تھے دروازے کی دستک اور سائل کی حاجت انھوں نے نماز میں سن لی۔ نماز میں تخفیف کی اور باہر تشریف لائے۔ دیکھا کہ سائل کے چہرہ پر واقعی فقر و فاقہ کے آثار ہیں، آپ نے واپس آکر اپنے غلام کو بلایا اور فرمایا کہ ہمارے نفقہ میں سے تمھارے پاس کچھ ہے؟ اس نے کہا کہ دو سو درہم ہیں۔ جن کے متعلق آپ کی ہدایت ہے کہ انھیں آپ کے اہل خانہ پر خرچ کردوں۔ آپ نے فرمایا: وہ سب درہم لاؤ کیوں کہ ان سے زیادہ حق دار آدمی آ گیا ہے۔ پھر ان دراہم کو پکڑ کر باہر نکلے اور انھیں اس اعرابی (سائل) کو دیتے ہوئے فی البدیہہ یہ اشعار کہے:

خذها فاني اليك معتذر
واعلم باني عليك ذوشفقة
لو كان فى سيرنا عصاة لما
كانت سماء عليك مند فقه
لكن ريب المنون ذونكد
والكف منا قليلة النفقة

(تاریخ دمشق لابن عساکر)

## امام عالی مقام اور واقعۂ کربلا:

حضرت امام عالی مقام رضی اللہ تعالی عنہ کی حیات پاک کا سب سے اہم باب واقعۂ کربلا ہے یہ تاریخ اسلام کا وہ درخشندہ باب ہے جس کی روشنی قیامت تک انسانیت کو راہ دکھاتی رہے گی۔ یہ صرف ایک جنگ، ایک سانحہ یا چند افراد کی شہادت کا نام نہیں، بلکہ یہ ایک دینی، روحانی، فکری اور اخلاقی انقلاب ہے۔

واقعۂ کربلا کی سب سے نمایاں معنویت یہ ہے کہ یہ حق و باطل کے درمیان ایک واضح لکیر کھینچ دیتا ہے۔ جب اسلامی خلافت کے نام پر یزید جیسا فاسق، ظالم جابر، اور بے عمل حکمران اقتدار پر قابض ہوا اور دین کے نام پر ظلم، بے عدلی اور فسق پھیلانے لگا تو حضرت امام حسین رضی اللہ تعالی عنہ نے دین و شریعت کے مقابلے میں کسی کی بھی پروا نہیں کی، اور حق کا راستہ اختیار کیا اور دنیاوی مال و منال اور عیش و آرام کو ٹھوکر مار کر راہِ حق میں پہنچنے والی مصیبتوں کا خوش دلی سے استقبال کیا اور ہزار آفتوں اور بلاؤں کے باوجود یزید جیسے فاسق وفاجر کی بیعت کا خیال بھی اپنے قلبِ مبارک میں نہ آنے دیا۔

کربلا میں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے عظیم کردار سے انسانیت کو یہ سبق ملا کہ ظلم کے سامنے جھک جانا بزدلی ہے، اور حق پر ڈٹ جانا ہی اصل کامیابی ہے، چاہے اس کی قیمت جان کی قربانی ہی کیوں نہ ہو۔ کربلا کا حسینی کردار قیامت تک مظلوموں کو حوصلہ، اور ظالموں کو للکار دیتی رہے گی۔

در اصل جب یزید پلید تخت نشیں ہوا تو اس نے اسلام کے سیاسی و دینی نظام کو ملوکیت میں بدلنے کی کوشش کی، شریعت کے حدود و کو پامال کرنے میں کوئی دریغ نہیں کیا، اس نے اسلامی نظام کو اپنی خواہشات پر قربان کرنا شروع کیا، وہ فاسق، فاجر، شراب نوش اور حدودِ شریعت سے مکمل طور پر منحرف تھا، اور اسلامی خلافت کو اپنی نفسانی خواہشات کی تکمیل کا آلہ بنا رہا تھا۔ ایسے وقت میں اگر خاندان نبوت کا یہ چشم و چراغ اعلاے کلمۃ الحق کا فریضہ نہ ادا کرتا تو اسلام کی اصل روح مسخ ہو جاتی، اور باطل کو ہمیشہ کے لیے قوت و تائید فراہم ہو جاتی۔

ایسے عالم میں حضرت امام حسین رضی اللہ تعالی عنہ نے نہ صرف یزید کی بیعت سے انکار فرمایا بلکہ پوری جرأت و استقامت کے ساتھ اعلان کیا:

"مثلی لا یبایع مثله" میرے جیسا، اس جیسے کی بیعت نہیں کر سکتا۔ (البدایہ والنہایۃ)

حضرت امام عالی مقام نے کرب و بلا کی سرزمین میں خالص دین کی سربلندی کے لیے جس کرب و اضطراب کا سامنا کیا اور جس طرح ہزاروں یزیدی فوج کے مقابلے میں اپنے چند رفقا کے ساتھ جواں مردی کا مظاہرہ کرتے ہوئے حق کی آواز بلند کی، اس کو کبھی فراموش نہیں کیا جا سکے گا، ظلم و جبر کے مقابلے میں آپ کی سیرت کا یہ درخشاں پہلو تمام اسلامیان عالم کو روشنی فراہم کرتا رہے گا۔

حسینی سیرت کا یہ پہلو بھی بڑا تابندہ ہے کہ آپ نے مصائب وآلام پر کبھی بھی شکوہ نہیں کیا، بلکہ ہمیشہ صبر و رضا کے پیکر بنے رہے، دسویں محرم الحرام کو آپ پیاس کی شدت سے نڈھال تھے، خیموں میں تڑپتے شہ زادے تھے، اہل و عیال کے لرزتے دل تھے، دشمن کے تیروں کی بارش تھی، لیکن ان کے لبوں پر شکایت کے بجاے رب کی حمد وثنا تھی۔ اپنے پیارے بیٹے علی اکبر کو رخصت کرتے وقت آنکھوں سے اشک ضرور بہے، مگر دل اللہ کی رضا میں مستغرق رہا۔

کربلا کے اس سفر میں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے اپنے بھائی، بھتیجے، بیٹے، ساتھی، سب کچھ قربان کر دیا، مگر دینِ اسلام کے اصولوں پر ذرّہ برابر سمجھوتا نہیں کیا۔ بلاشبہ کربلا میں امام حسین رضی اللہ عنہ نے وہ عظیم کردار پیش کیا جس کی روشنی میں اہلِ حق ہمیشہ اپنی راہیں متعین کرتے رہیں گے۔ صبرِ حسین قیامت تک انسانیت کو عزت، حوصلہ، اور حق پر ثابت قدمی کا پیغام دیتا رہے گا۔ ■■■

## راہِ ہدایت کے درخشندہ ستارے

از: مفتی محمد اعظم مصباحی مبارک پوری*

حضرت امام حسین راہ ہدایت کے وہ درخشندہ ستارے ہیں کہ جن سے کتنے ہی گمگشتہ راہ کو منزل مقصود تک رسائی حاصل ہوگئی سرزمین کرب وبلا میں صبر وشکر، وفاشعاری اور راہ حق میں جان نچھاور کرنے کی جو داستان آپ نے رقم کی ہے وہ رہتی دنیا کے لیے مشعل راہ ہے۔ آپ کی سیرت طیبہ سے ہمیں عدل و انصاف وفاداری و جانثاری صبر و استقامت عزم و حوصلہ، شجاعت و بہادری، زہد و ورع، تقویٰ و طہارت، حلم و بردباری، عفت و پارسائی، تدبر و دانائی، اعلائے کلمۃ الحق، شریعت مصطفیٰ کا تحفظ اور عزیمت و استقلال کا درس ملتا ہے۔ مصیبت زدوں، حق کی راہ میں مشکلات کا سامنا کرنے والوں ظلم و جفا کی آندھیوں کا مقابلہ کرنے والوں اعلائے کلمۃ الحق کے علمبرداروں کے دلوں میں اپ کی سیرت امید کی ایک نئی شمع روشن کرتی ہے۔

حضرت امام حسین کا تعلق اس خانوادے سے ہے جسے اہل بیت کہا جاتا ہے آپ کا گھر انار شد وہدایت کا مرکز، علم وحکمت کا منبع رشک کائنات اور تجلیات وانوار الٰہی کا مہبط تھا اس کی طہارت و پاک بازی کی ضمانت قرآن کریم نے لی ہے رسول گرامی وقار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جنھیں اپنا بیٹا کہا مولاے کائنات خیبر شکن حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کے والد بزرگوار ہیں عفت و پارسائی طہارت و تقدس کی پیکر جمیل، عابدہ، زاہدہ، سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا والدہ محترمہ۔

امام حسین کا علمی شجرہ کائنات کی بڑی مقتدر اور صاحب بصیرت ہستیوں سے ملتا ہے معلم کائنات حضور سے سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تربیت میں پروان چڑھے، حضور علیہ السلام کے ساتھ علمی نشستوں میں شرکت کی اور تقریباً سات سالوں تک حضور سے علم و حکمت کے زلالی جام پیتے رہے، اس کے علاوہ احادیث کی روایت، قرآن کی تفسیر اور اسلامی اقدار اور دیگر علوم اجلہ صحابۂ کرام بالخصوص اپنے والد بزرگ وار مدینۃ العلم سیدنا علی مرتضیٰ اور والدہ ماجدہ سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے زیر سایہ حاصل کرتے رہے۔ صحابۂ کرام آپ کی علمی شخصیت کی قدر کیا کرتے تھے آپ کی موجودگی میں فتوی دینے سے دریغ کیا کرتے تھے۔ سائل کو آپ کی بارگاہ میں بھیجتے تھے، چنانچہ تاریخ مدینہ دمشق میں ابن عساکر نے یہ روایت نقل کی ہے: حضرت عبداللہ ابن عباس مجمع میں لوگوں کو مسائل بتارہے تھے ناف ابن ازرق خارجی بھی وہیں موجود تھا تو عبداللہ ابن عباس سے کہنے لگا کہ ابن عباس آپ لوگوں کو صرف چیونٹی اور کھٹمل کے بارے میں مسئلہ بتاتے ہیں میں آپ سے ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں کہ آپ اپنے



* استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

رب کی صفات بیان کیجیے۔ حضرت عبداللہ ابن عباس نے اس کے قول کے عظمت کے پیش نظر اپنی گردن جھکالی، امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی اسی محفل میں تشریف فرما تھے، انھوں نے فرمایا: اے ابن ازرق میرے پاس آمیں تجھے جواب دیتا ہوں۔ اس نے کہا کہ میں آپ سے نہیں پوچھ رہا ہوں۔ اتنا سنتے ہی حضرت عبداللہ ابن عباس نے فرمایا کہ اے ابن ازرق یہ امام حسین اہل بیت نبوت سے ہیں اور رسول اللہ کے علم کے سچے وارث ہیں، تو نافع ابن ازرق حضرت امام حسین کی طرف متوجہ ہوا اور امام حسین نے اسے رب کی توحید، عقائد اسلام اور اپنی عظمت کو بڑے واضح انداز میں بیان فرمایا۔

امام حسین صرف عبادات، تفسیر و حدیث فقہ و فتاوی وغیرہ ہی عالم نہ تھے بلکہ معاملات وسیاست کے ساتھ زبان و بیان اور فصاحت وبلاغت میں بھی بے مثال تھے۔ ابن حجر ہیتمی لکھتے ہیں: امام حسین علم و حلم میں بے نظیر، فصاحت میں یکتا، شجاع، زاہد اور عبادت گزار تھے۔

کربلا کے میدان میں امام حسین کے خطبات میں فصاحت وبلاغت، تدبر و دانائی اور علم و حکمت کا بلند ترین مظاہرہ دیکھنے کو ملتا ہے۔ امام ابن اثیر نے الکامل فی التاریخ میں کربلا کی سرزمین پر آپ کے دیے گئے خطبات کو نقل کیا ہے۔ امام حسین کا میدانِ کربلا میں دیا گیا خطبہ ایک تاریخی اور روحانی اہمیت کا حامل ہے، اور امام ابن اثیر جزری نے اپنی معروف کتاب "الکامل فی التاریخ" میں اس کا ذکر کیا ہے۔ ذیل میں امام حسین کا خطبہ "الکامل فی التاریخ" کی روشنی میں پیش کیا جارہا ہے

خبردار! اے لوگو! تم سب جانتے ہو کہ میرا نسب کیا ہے، میرا حسب و نسب، میری شخصیت اور میرا مقام اسلام میں تم پر واضح ہے۔ کیا تم نہیں دیکھ رہے کہ حق پر عمل نہیں ہو رہا اور باطل سے روکا نہیں جا رہا؟ ایسے حالات میں مؤمن کو اپنے رب سے ملاقات کی تمنا کرنی چاہیے۔ میں موت کو سعادت سمجھتا ہوں اور ظالموں کے ساتھ جینا محض ذلت اور تکلیف سمجھتا ہوں۔"

امام حسین نے یہ خطبہ یزیدی لشکر کے سامنے اس وقت دیا جب حالات نہایت نازک ہو چکے تھے۔ یہ خطبہ اُن کے مقصد، سچائی، اور عزیمت کا آئینہ دار ہے۔ اس میں آپ نے ظلم کے خلاف اپنی جدوجہد کو بیان کرتے ہوئے یہ واضح فرمایا کہ آپ کسی ذاتی مفاد یا دنیاوی حکومت کے لیے نہیں، بلکہ دین کی بقا اور حق وباطل کے فرق کو واضح کرنے کے لیے میدان میں آئے ہیں

ابن اثیر اس واقعے کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ امام حسین کا یہ خطبہ نہ صرف ایک سیاسی و دینی اعلان تھا بلکہ ایک اخلاقی و روحانی دعوت بھی تھی، جس میں انھوں نے امت کو بیدار کرنے کی آخری کوشش کی۔

اپنے دوستوں کو نصیحت کرتے ہوئے امام عالی مقام نے فرمایا:

امابعد! میں ایسے اصحاب کو نہیں جانتا جو میرے اصحاب سے زیادہ وفادار اور بہتر ہوں، اور نہ ایسے اہلِ بیت کو جانتا ہوں جو میرے اہلِ بیت سے زیادہ نیک اور صلہ رحم کرنے والے ہوں۔ پس اللہ تمھیں میری طرف سے بہترین جزا دے۔ خبردار! میں نے تم سب کو جانے کی اجازت دے دی ہے۔ تم سب آزاد ہو۔ یہ رات تمھیں ڈھانپ چکی ہے، اسے سواری بنالو (یعنی چلے جاؤ)۔ تم میں سے ہر ایک میرے اہلِ بیت میں سے کسی فرد کا ہاتھ تھامے، اور اندھیرے میں منتشر ہو جاؤ۔ اور مجھے ان لوگوں کے ساتھ چھوڑ دو، کیوں کہ وہ صرف مجھے چاہتے ہیں۔"

عبادت و ریاضت، تقویٰ طہارت میں بھی آپ کا اسوہ قابل تقلید ہے۔ امام حسین کی زندگی کا ہر لمحہ عبادت و بندگی اور طاعت الٰہی سے معمور تھا، آپ نے 25 حج ادا کیے، اکثر روزے سے رہا کرتے، فرائض کے علاوہ نوافل کثرت سے پڑھا کرتے، تلاوت کلام اللہ بھی خوب کیا کرتے تھ،ے نہایت خوش وخضوع کے ساتھ رب کے حضور سجدہ ریز ہوتے۔ علامہ ابن اثیر جزری لکھتے ہیں کہ حضرت امام حسین کثرت سے نماز پڑھتے، روزہ رکھتے، حج کرتے، صدقہ وخیرات کرتے اور تمام بھلائی کے کاموں میں حصہ لیتے تھے۔ آپ کے شہزادے حضرت امام زین العابدین

رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا: میرے والدِ گرامی دن اور رات میں ہزار رکعت نوافل ادا فرمایا کرتے تھے۔10 محرم الحرام کی رات جو آپ کی زندگی کی آخری رات تھی، ہر طرف سے دشمنوں نے نرغے میں لے رکھا تھا۔ اتنے مشکل حالات میں بھی آپ کی عبادت وریاضت، خشوع وخضوع اور وظائف و معمولات میں کسی قسم کی کمی نہیں آئی، یہاں تک کہ عین میدان جنگ میں جب کہ دشمن آپ کی پشت مبارک پر سوار تھا، اس وقت بھی اپنے رب کی اطاعت وبندگی سے پیچھے نہیں ہٹے اور تیر، تلوار، نیزے سے چھلنی بدن لے کر اپنے رب کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہوکر اپنی جان جان آفرین کے سپرد کر دی اور دنیا والوں کو یہ پیغام دیا کہ چاہے کتنی ہی مشکل گھڑی ہو اپنے رب کی بندگی سے پیچھے نہیں ہٹنا چاہیے۔

تسلیم و رضا، عشق و وفا، صبر و ہمت، فداکاری و جاں نثاری، استقامت و ثابت قدمی کی تاریخ امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہ تذکرے کے بغیر مکمل نہیں ہو سکتی۔ کربلا کے میدان میں آپ کے اہل وعیال محبین اولاد و مستورات سخت مشکلات میں تھے نہر فرات پر پہرا بیٹھا دیا گیا تھا، پانی لینے پر بندش تھی، کئی دنوں تک کھانا پانی بند تھا، ان حالات میں جنگ کا سامنا اپنوں کی قربانیاں بھائی، بھتیجے، بیٹے، شیر خوار بچے کا لاشہ اٹھا کر اپنی ثابت قدمی کا امتحان جو امام حسین نے دیا، دنیا کی تاریخ میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔ کربلا کی دھرتی پر آپ کی قربانی نے شہادت کا وہ بے نظیر باب قائم کیا کہ شہادت کو بھی آپ کی شہادت پر رشک آتا ہے

امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نہ صرف شجاعت و جواں مردی، تسلیم ورضا اور صبر واستقامت کے پیکر جمیل ہیں بلکہ سخاوت اور فیاضی کے ایسے دریا بھی ہیں جس سے رہتی دنیا تک قافلے سیراب ہوتے رہیں گے۔ امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس جہت سے بھی امتیازی شان کے مالک تھے، آپ مسکینوں یتیموں حاجت مندوں اور محتاجوں کی حاجت روائی کرتے، منگتوں کو اپنے دولت کدے سے خالی واپس نہ کرتے، سائلین کے ساتھ حسن سلوک فرماتے اور ان کی دعوت کو قبول کرتے اور ان کے ساتھ کھانا کھایا کرتے تھے اور انھیں اپنے گھر دعوت پر بلاتے تھے اور گھر پر جو ہوتا اس سے دریغ نہیں کرتے تھے۔

آپ غلاموں اور باندیوں کی دین داری اور اچھے اخلاق و کردار کی بنا پر ان پر شفقت فرماتے اور رضائے الٰہی کے لیے انھیں آزاد کر دیتے۔ تاریخ مدینہ دمشق یہ روایت بھی مذکور ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کی خدمت میں ایک کنیز کو بہت سارا مال اور عمدہ لباس کے ساتھ بھیجا تو آپ نے قرآن کی بعض آیات کی تلاوت اور دینا و موت کے بارے میں بعض اشعار پڑھن پھر اسے آزاد کیا اور وہ مال بھی اسے عطا کیا۔

میدان کربلا میں امام عالی مقام نے جو جرأت، حوصلہ اور ثباتِ قدمی دکھائی، وہ رہتی دنیا تک غازیان اسلام کے سینوں میں نئی جان ڈالنے کا کام کرتی ہے اور انھیں ثابت قدمی کے ساتھ یزید وقت کے سامنے سینہ سپر ہونے کا حوصلہ عطا کرتی ہے۔ امام حسین نے جب یزید کی بیعت کو ٹھکرایا، تو وہ جانتے تھے کہ یہ راستہ شہادت کی طرف جاتا ہے مگر وہ جھکے نہیں۔ یہ وہ شجاعت ہے جو صرف جسمانی طاقت سے نہیں، بلکہ روحانی بلندی سے پیدا ہوتی ہے۔

کون نہیں جانتا کہ دس محرم کی صبح آپ کے لیے کتنی مشقت آمیز تھی، یکے بعد دیگرے آپ کے جاں نثار اور اہل بیت نبوت کے مہکتے پھول جام شہادت نوش کرتے رہے، دشمن کی افواج کا سمندر سامنے تھا، ہر طرف نیزے، تیغیں، تیروں کی بارش، مگر امام حسین کا چہرہ مثلِ خورشید دمک رہا تھا، آپ کے پائے ثبات میں ذرہ برابر جنبش نہ آئی اور پورے حوصلہ اور استقلال کے ساتھ دشمنوں کا مقابلہ کرتے رہے، بالآخر یزیدیوں نے چاروں طرف سے نرغے میں لے کر یکبارگی حملہ کیا زخموں سے چور ہوکر امام گھوڑے سے اترے رب کریم کی بارگاہ میں آخری سجدہ کیا اور اسی حالت میں جام شہادت نوش کیا۔

▪▪▪▪▪

گوشۂ ادب

# فانؔی گورکھپوری کی شعری کائنات
# ایک جائزہ

ڈاکٹر صابر رضا رہبؔر مصباحی

سید شاہ شاہد علی سبز پوش فانؔی گورکھپوری (ولادت: ۱۸۸۸ء۔ وفات:۱۹۲۵ء)اپنے عہد کے عظیم شاعر وادیب گزرے ہیں۔ وہ ایک جید عالم دین، مبلغ اور صوفی تھے۔ شعروسخن سے فطری ذوق کے سبب کم عمری ہی (تقریباً ۱۴/ برس) میں شاعری شروع کردی۔ ابتداً فارسی میں بھی غزل کہتے تھے مگر بعد کے دنوں میں صرف اردو میں مشق سخن کرنے لگے۔ ان کے مرشد حضرت آسی غازی پوری اپنے وقت کے مستند شاعر تھے، نعت گوئی اور تغزل میں اپنی مثال آپ تھے۔ ان کی پاکیزہ صحبت نے ان کے ذوق شاعری کو مزید پروان چڑھایا۔ انھوں نے اپنے مرشد کے علاوہ شمشاد لکھنوی سے اصلاح لی۔ ان کے صوفیانہ مزاج نیان کے شعری رنگ وآہنگ کو مزید گہرا کردیا، کیوں کہ وہ ایک طرف خم خانۂ تصوف کے مست الست تھے تو دوسری طرف میدان شعروادب کے شہسوار بھی۔ انھیں اردو، عربی اور فارسی زبان پر کمال حاصل تھا، جس نے ان کے شعری وادبی کائنات کو نہ صرف بہت حسین بنادیا بلکہ انھیں ان کے ہم عصروں میں ایک امتیازی شان عطا کی۔ انھیں فن شعروسخن پر عبور حاصل تھا۔ انھوں نے حمد، نعت، منقبت، مثنوی، قصیدہ، غزل، رباعی، مخمس، مسدس، تضمین، سہرا اور تاریخ گوئی میں اپنی جولانی طبع کا خوب مظاہرہ کیا۔ طبیعت میں بلا کی سنجیدگی تھی۔ فن پر گرفت کا عالم یہ تھا کہ زمین خواہ کتنی ہی دشوار گزار ہو، جب کہتے تو کہتے چلے جاتے۔ تضمین کے معاملے میں تو آپ اپنی مثال تھے۔ ایسا بے جوڑ مصرع لگاتے کہ لوگ واہ واکیے بغیر نہیں رہ پاتے۔ تصوف سے انھیں قلبی لگاؤ تھا جس کا گہرا اثر ان کے کلام میں، خاص طور سے غزل میں نظر آتا ہے۔ فن غزل گوئی سے متعلق سید امیر احمد اثیم خیر آبادی رقم طراز ہیں:

”شاہ صاحب کو غزل گوئی سے زیادہ شغف رہا۔ دو تین خمسے بھی ہیں اور لاجواب ہیں۔ صاحب غزل کی زبان میں ایسی زبان ملائی ہے کہ امتیاز ناممکن ہے..... رباعیاں بھی چند ہیں۔ قصیدے کے بارے میں فرماتے تھے: ”اہل دنیا کی مدح میرے لیے عار ہے۔“ایک بار نعت میں قصیدہ کہنا شروع کیا تھا۔ پندرہ بیس شعر ہوئے تھے کہ خیال ہوا کہ میرے طائرِ وہم وخیال کی انتہائی پرواز بھی باعث کمال منقصت ہوگی، اس لیے اس خیال کو ترک کردیا۔ احباب کی فرمائش سے البتہ قصیدے قلم برداشتہ انھیں کے نام سے لکھ کے دے دیے۔ ایک مثنوی بھی کہی تھی، مگر ضائع گئی۔“(مقدمہ دیوان فانی، ص:81، ناشر شاہ عبدالعلیم آسی فاؤنڈیشن، نئی دہلی)

فن غزل گوئی میں انھیں کمال حاصل تھا۔ مشکل سے مشکل زمین میں بھی کامیاب غزلیں کہیں۔ اساتذۂ سخن کی زمینوں پر بھی طبع آزمائی کی ہے۔ خصوصًا استاذ ذوؔق دہلوی، داغؔ دہلوی، امیؔر مینائی، خواجہ حیدر علی آتشؔ اور مومنؔ دہلوی کی زمینوں میں آپ کے کلام ملتے ہیں۔ جناب سید امیر احمد اثیمؔ خیر آبادی رقم طراز ہیں:

”زبان اور انداز بیان پر قدرت ایسی ہے کہ جو کہنا چاہتے ہیں، خوب کہتے ہیں۔ شاہ صاحب کی اکثر غزلیں اساتذہ کی غزلوں پر ہیں، خصوصًا حضرت داغ اور حضرت امیر مینائی کی غزلوں پر۔ کچھ غزلیں آتشؔ کی غزلوں پر بھی ہیں۔ ذوقؔ ومومنؔ کی زمینوں میں بھی طبع آزمائی کی ہے۔ میرؔ کی طرح میں دو ایک غزلیں ہیں؛ مگر



سینئر سب ایڈیٹر روزنامہ انقلاب، پٹنہ۔ Mob 8804542020

خصوصیت یہ ہے کہ جس کی غزل ہے، وہی رنگ غالب ہے۔ ناظرین خود ہی ملاحظہ فرمائیں گے۔" (مصدر سابق، ص:82)

متصوفانہ جہت ان کی غزلیہ شاعری کو نہ صرف امتیازی رنگ وآہنگ عطا کرتی ہے بلکہ انھیں اپنے ہم عصروں سے ممیز بھی کرتی ہے۔ ڈاکٹر فضل الرحمان شرر مصباحی کے بقول:

"مشربی طور پر آپ خم خانۂ تصوف کے مست الست تھے، اس لیے آپ کے اشعار میں جو تغزل کا جوہر ہے وہ آپ کے ہم عصر شعرا میں خال خال پایا جاتا ہے۔ پھر سرکار آسی غازی پوری کے دربار عالی کی خاک روبی نے اس رنگ تغزل کو اور چوکھا کر دیا۔ شاعری صرف قافیہ پیمائی کا نام نہیں، بلکہ ایک اچھے شاعر کے لیے علم عروض میں مہارت رکھنے کے ساتھ ہی اس کا شعری شعور بھی بالیدہ ہو اور زبان و بیان پر دسترس حاصل ہو، اس کے تجربات و مشاہدات گہرے ہوں وغیرہ۔ اچھا شعر وہی ہے جو بلندیِ تخئیل کا حامل ہو اور جس کے لیے الفاظ کا انتخاب اسی کے متناسب ہو۔ اس نقطۂ نظر سے 'دیوان فانی' میں بڑی جامعیت نظر آتی ہے۔ بے شبہہ 'دیوان فانی' میخانۂ تصوف کی رحیق مختوم اور خوان تغزل کا مزعفر و مطنجن ہے۔" (دیوان فانی، ص:27، ناشر شاہ عبدالعلیم آسی فائونڈیشن، نئی دہلی)

ان کی غزلیہ شاعری میں گل وبلبل کی داستان طرازی، ہجر ووصال کے قصے، عشق ومعشوق کی کہانیاں اور قافیہ پیمائی ہی نہیں تخیلات کی نیرنگی وپاکیزگی اور شعری شعور کی آفاقیت، معاملہ بندی کی نزاکت، مضمون آفرینی کے علاوہ فن کی تمام تر رعنائیاں موجود ہے۔ ان کی شاعری میں شعریت بدرجہ اتم موجود ہے۔ یہ چند اشعار بطور مثال پیش ہیں:

ہر چند تھا وہ شوخ ہزاروں حجاب میں
شرما کے رہ گئی تھی کرن آفتاب میں
دکھلا کے چشم مست وہ کہتی ہے ناز سے
تم کو کبھی ملی تھی یہ لذّت شراب میں
ذکر میرا ان کی محفل میں ہے میں شامل نہیں
واہ رے قسمت کہ میں خارج نہیں داخل نہیں
حسن کے کوچے میں کیا اب کوئی اس قابل نہیں
سر بکف پھرتے ہیں ہم لیکن کوئی قاتل نہیں
اپنے کانوں سے بھی ایسا نہ سنا کوئی حسیں
یہ نہیں ہے کہ فقط آنکھ سے دیکھا ہی نہیں
یار کہتا ہے فنا ہو کے ملو اے فانی
یہی رونا ہے کہ ہم سے تو یہ ہوتا ہی نہیں
اغیار انھیں بھر کے نظر دیکھ رہے ہیں
ہم دیکھ نہیں سکتے مگر دیکھ رہے ہیں
رہ رہ کے ادھر بھی وہ مگر دیکھ رہے ہیں
آہوں میں ہم اب کچھ تو اثر دیکھ رہے ہیں
مانا کہ نہ آئیں گے کبھی وہ شبِ وعدہ
رہ رہ کے مگر ہم سوے در دیکھ رہے ہیں
تصویر بنے بیٹھے ہیں وہ بزم عدو میں
ہر شخص سمجھتا ہے ادھر دیکھ رہے ہیں
کوچۂ بے خودی سے مست پہنچے حریم راز میں
زاہد خشک رہ گیا منزلِ امتیاز میں
مست جھکی ہوئی نگاہ بزم طرب کی ہے گواہ
جوش شراب خواب ہے دیدۂ نیم باز میں
منزلِ نیستیِ عشق ہو گئی دم کے دم میں طے
خنجر ناز بن گیا خضر رہِ نیاز میں
دل ہیں حقیقت آشنا بے خبرانِ عشق کے
دورِ مئے الست ہے مے کدۂ مجاز میں

شعر وادب کے اعتبار سے فانی گورکھ پوری کا عہد بڑا ہی پر بہار تھا۔ دہلی اور لکھنو کے دبستانوں میں ادبی وشعری معرکہ آرائیاں شباب پر تھیں اور اردو زبان اصلاحات کے تجربے سے گزر رہی تھی۔ جناب فانی نے دونوں دبستان (لکھنو اور دہلی) کا گہرا مطالعہ کیا، ان سے خوب خوب اکتساب کیا اور جہاں سے جو اچھا لگا اسے اپنے کلام کا حصہ بنایا۔

فانی گورکھ پوری کے عہد میں دبستان لکھنو اور دہلی کی علمی، ادبی و شعری موشگافیوں کی طرف ایک لطیف اشارہ کرتے ہوئے ڈاکٹر فضل الرحمٰن شرر رقم طراز ہیں:

”حضرت فانی کا زمانہ شباب اردو زبان وادب کے لحاظ سے بڑا پُر بہار تھا۔ لکھنو میں خاندانِ انیس کے چشم و چراغ پیارے صاحب رشید، ابر، ابرو، جلال، عزیز، فصاحت، وصف، محشر، بیرسٹر حامد علی، شرر، واصف، شمس، اثر، خواجہ عبد الروف عشرت، نظم طباطبائی، مولانا عبد الباری آسی، مرزا محمد ہادی رسوا، نیاز، مسعود حسن ادیب رضوی جیسے باکمال شعرا، ادبا، نقادانِ فن، علمائے فرنگی محل اور فقہ جعفری کے مجتہدین کا شہرہ تھا اور دہلی حضرت سید وحید الدین بیخود، نواب شجاع الدین تاباں، سائل، حکیم اجمل خاں شیدا، خواجہ حسن نظامی، امیر الملک بہادر گورگانی احقر، ملا واحدی، مرزا بشیر الدین، مرزا حیرت، ناطق، لالہ چھنو مل، لالہ سری رام، نواب علی خاں اعجاز، واعظ نقشبندی، آغا حسن قدر، مفتی کفایت اللہ جیسے شعرا، اربابِ فکر و فن اور مسلک ولی اللہی کے علمائے اعلام سے خطۂ شیراز بنی ہوئی تھی۔“(مصدر سابق، ص:26)

آپ کے خاص رفقا میں ریاض خیر آبادی، اصغر گونڈوی، عبد الباری آسی، حفیظ جون پوری، احسن مارہروی، عزیز لکھنوی، صفدر مراز پوری، عالم لکھنوی، سیماب اکبر آبادی، وصل بلگرامی، عشرت لکھنوی، اثر لکھنوی، یاس عظیم آبادی، ثاقب لکھنوی، نازش بدایونی، بیخود موہانی، بے نظیر شاہ وارثی جیسے نامور شعرا و ادبا کے اسما شامل ہیں، جن سے آپ کے گہرے مراسم اور تعلقات تھے۔

شیخ طریقت ہونے کے ساتھ جناب فانی کا شمار میدان شاعری کے باکمالوں میں ہوتا تھا۔ ان کے عہد کے تقریباً تمام مستند اور استاد شعرا سے ان کے روابط تھے۔ شاعری میں انھوں نے شمشاد لکھنوی سے اصلاح لی۔ دیوان فانی کے مولف سید مصطفیٰ علی آنی رشیدی گورکھپوری رقم طراز ہیں:

”والد صاحب قبلہ جناب مولانا شمشاد فرنگی محلی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد ہونے کی حیثیت سے جملہ قواعد کے سختی سے پابند تھے۔ بعض بعض جگہ خلاف قواعد الفاظ پائے جاتے ہیں۔ جیسے مکان، آسمان وغیرہ میں بے عطف واضافت کے بھی نون غنہ آ گئے ہیں۔ میں نے (والد صاحب سے) استفسار کیا تھا تو (آپ نے) یہ فرمایا: بعض غزلوں میں جناب وسیم (خیر آبادی) کی فرمائش سے ایسا نظم کیا گیا ہے اور چند اشعار میں جو قواعد کی پابندی اختیار کرنے کے قبل کے ہیں، یوں ہی رہنے دیا گیا ہے۔“(معذرت مشمولہ دیوان فانی، ص:29، ناشر شاہ عبد العلیم آسی فاؤنڈیشن، نئی دہلی)

حضرت فانی کا اپنے کلام پر اصلاح لینے کا طریقہ بھی عام روش سے ہٹ کر تھا اور جناب شمشاد لکھنوی نے حضرت فانی کی غزلوں کی اصلاح میں جداگانہ طرز اختیار کیا، جو دونوں کی علمی و ادبی قدر و منزلت میں چار چاند لگاتا ہے۔ دیوان فانی کے مقدمہ میں جناب اثیم خیر آبادی نے جناب فانی کے اصلاح لینے کا طریقہ کچھ یوں بیان کیا ہے:

”ان کا اصلاح لینے کا طریقہ عام انداز سے جداگانہ اور کمال استفادہ کو لیے ہوئے تھا۔ غزل کے ساتھ ان کے علو فکر، رسائی ذہن، سلیقہ حسن، نشست وانتخاب، الفاظ کی اصلاح اور بجمیع حیثیات قوت فکریہ کی ترقی ہو جاتی تھی، بصیرت تامہ حاصل ہو رہی تھی، ملکہ بڑھتا ہی جاتا تھا اور وجوہِ اصلاح دل نشیں ہوتے جاتے تھے۔“(مقدمہ دیوان فانی، ص: 80، ناشر: شاہ عبد العلیم فاونڈیشن نئی دہلی)

اصلاح کے لیے جب وہ جناب شمشاد لکھنوی کی خدمت میں حاضر ہوتے تو عرض کرتے تھے ”جو لفظ بدلوانا ہو، مجھ ہی سے بدلوائیے“۔ اس گزارش کے سبب جب کوئی لفظ استاد کو پسند نہیں آتا تو اس کی جگہ دوسرے لفظ کو فٹ کرنے کے لیے خون جگر صرف کرتے اور لفظ بدلتے۔ اس دوران استاد و شاگرد میں باہمی مکالمہ ہوتا۔ اس طریقہ اصلاح کا انھیں غیر معمولی فائدہ پہنچا، وہ اکثر کہا کرتے تھے کہ ان چار پانچ غزلوں کی اصلاح سے جو نفع مجھ کو حاصل ہوا، اگر سیکڑوں غزلیں بھیج کر اصلاح لی جاتی تو نہ

ہوتا۔ دوران اصلاح غزل ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ استاد کی اصلاح پسند نہ آئی مگر ادباً استاد کا لفظ قبول کر لیا۔ طبیعت اس سے مطمئن نہیں تھی، اس اضطراب کیفیت میں حضرت آسؔی غازی پوری کی خدمت میں آئے۔ اپنا موقف بیان کیا اور استاد کے بدلے گئے لفظ پر عدم اطمینان کا اظہار کیا۔ شعر سن کر حضرت آسؔی نے انھیں کی تائید کی۔ جناب اثیم خیر آبادی لکھتے ہیں:

”ایک روز کسی شعر کے ایک لفظ پر استاد شاگرد میں دیر تک مکالمہ رہا۔ انھوں نے ادباً استاد محترم کا لفظ قبول کیا۔ یہاں سے اٹھ کر پیر و مرشد قدس سرہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ پوچھا: ”میاں شاہد! کہاں گئے تھے؟“۔ کہا: حضرت شمشاد کی خدمت میں۔ فرمایا: ”اصلاح کے لیے کوئی غزل لے گئے تھے؟“۔ کہا: جی حضور۔ حکم ہوا: ”سناؤ!“۔ انھوں نے سنائی۔ فرمایا: ”مولوی صاحب نے کیا اصلاح دی؟“۔ انھوں نے اپنا شعر اور مولوی صاحب کی اصلاح پیش کی۔ فرمایا: ”تمھارا لفظ بہتر ہے“۔ ان کی خلش مٹ گئی، تشفی ہو گئی۔“ (مصدر سابق، ص: 81)

فانی گورکھ پوری کو تضمین نگاری پر عبور حاصل تھا۔ کسی بھی طرح پر ایسا بے جوڑ مصرع جڑتے کہ اصل کا گمان ہونے لگتا تھا۔ مشکل سے مشکل طرح اور زمین پر کثرت سے اشعار کہتے ایسا لگتا ہے کہ مضمون صف بستہ کھڑے ہیں اور باندھے جا رہے ہیں۔

جناب فانی کہا کرتے تھے کہ ”میرے اشعار کو دوسروں کے شعر سے توارد کی امید کم ہے۔ مصرع ثانی شاید لڑ جائیں؛ مگر میں مصرع اولی سب سے علیحدہ لگاتا ہوں“

(مصدر سابق ص: 83-84)

جناب فانی کی تضمین نگاری کے تعلق سے صاحب مقدمہ دیوان فانی جناب اثیم خیر آبادی رقم طراز ہیں:

”تضمین میں شاہ صاحب کو عجب ملکہ اور شغف ہے۔ قریب قریب شاعروں کے ہر مصرع پر مصرع لگائے جو دیکھنے ہی سے تعلق رکھتے ہیں۔ ہر غزل جس میں تضمین کا مصرع ہے، واضح کر دیا گیا ہے۔ ناظرین محظوظ ہوں گے۔“ (مصدر سابق، ص: 122)

حضرت فانی گورکھ پوری کو زبان و بیان پر ملکہ حاصل تھا۔ ان کی بلند پایہ اور بصیرت افروز شاعری کے جائزہ سے یہ انکشاف ہوتا ہے کہ انھوں نے محض تفنن طبع اور اپنے فن کے مظاہرہ کے لیے شاعری نہیں کی، بلکہ انھیں شاعری سے جذباتی و قلبی لگاؤ تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اپنے عہد کے معتبر اور اساتذہ شعرا سے باضابطہ ان کا ربط و تعلق تھا اور ان کے یہاں ادبی و شعری مجلس جمتی تھی یعنی مشورہ سخن کا ایک جہان آباد ہوا کرتا تھا۔ ان کا دولت کدہ اہل علم و فن کا مسکن اور فکر و ادب کا گہوارہ بن چکا تھا، جہاں شعر و سخن کے ماہرین ور سیا شریک ہوتے، علمی و ادبی مجالس آراستہ ہوتیں اور مشاعرے کا بھی دور چلتا۔ بہت کم ایسے شعرا ہوتے ہیں جو کامیاب و سنجیدہ شاعری کرتے ہیں مگر مشاعرہ میں ان کا رنگ نہیں جمتا اور وہ ایک طرح اسٹیج کی دنیا سے باہر ہوتے ہیں مگر فانی گورکھ پوری کا کمال سخن یہ ہے کہ وہ سنجیدہ شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ مشاعرہ کے اسٹیج کے بھی کامران شاعر تھے۔ ان کی شرکت مشاعرے کی کامیابی کی ضمانت سمجھی جاتی تھی۔ آپ خود بھی شعری بزم سجاتے تھے۔ فاضل مقدمہ نگار دیوان فانی کے مطابق گورکھ پور میں ہندستان کے پہلے کل ہند مشاعرہ کے انعقاد کا سہرا بھی انھیں کے سر ہے۔ یہ تاریخی آل انڈیا مشاعرہ 1924ء میں جارج اسلامیہ انٹر کالج، گورکھپور میں منعقد ہوا تھا، جس میں رواںؔ اناوی، عزیزؔ لکھنوی، جگرؔ مرادآبادی، جگرؔ بسوانی، حسرتؔ موہانی، سیمابؔ اکبرآبادی، عبدالباری آسی، صفدر مرزاپوری، سعید احمد سعید، خلیل احمد شمیم، سید عقیل احمد عقیل اور جڑبڑ شاہ وارثی جیسے آسمان شعر و ادب کے درخشندہ ستاروں نے شرکت کی تھی۔ اس مشاعرے کے لیے تین طرحیں دی گئی تھیں۔ فانی گورکھ پوری نے تین طرح میں بے مثال کلام کہے۔

ہم یہاں بطور دلیل مقدمہ دیوان فانی سے دو واقعے کا ذکر کرتے ہیں۔ جناب اثیم خیر آبادی نے لکھا ہے کہ پہلے یہاں گورکھپور میں مقامی مشاعرے ہو کر رہ جاتے تھے۔ پہلے پہل بیرونی حضرات کو اس مشاعرے میں زحمت شرکت دی گئی۔ چند

شعرائے لکھنو بھی تشریف لائے تھے۔ مہمانان عزیز انھیں کے یہاں فروکش تھے۔ ایک بزرگ تھے جناب وزیر لکھنوی شاگرد حضرت حکیم مرحوم، نہایت پُرگو اور فی البدیہہ کہنے والے۔

گرمیوں کے دن تھے۔ ایک کشادہ چھت پر شب میں پلنگ بچھے۔ دل و دماغ شگفتہ اور ترو تازہ کرنے والی فرحت بخش ہواؤں کے جھونکے آرہے تھے۔ میں بھی ان کے اور مہمانوں کے حسب اصرار یہیں رہ گیا تھا۔ جناب وزیر نے ان سے برجستہ گوئی کی فرمائش کی۔ انھوں نے کہا:

”بسم اللہ جو رائے ہو، جو مصرع دے گا تو ایک کو دوسرے پر اشتباہ کی گنجائش رہے گی کہ پہلے سے غزل ہوگی۔ نئی زمین پیدا کی جائے۔ ایک قافیہ تجویز کرے ایک ردیف پھر مصرع کہہ لیا جائے“۔

وزیر صاحب نے ایک کی جگہ چار طرحیں نکالیں۔ طرحیں دشوار تھیں، خود دو ہی طرحوں میں فکر کر سکے، مگر مطلع نہیں کہہ سکے۔ انھوں نے چار طرحوں میں غزلیں کہہ لیں۔ ہر غزل تہہ دار ہے اور پُرزور۔ موصوف کو بھی ان کی طبیعت داری کا اعتراف کرنا پڑا۔ تضمین بھی کیں جو حسب ذیل ہیں:

بال پکتے ہی ہوئی اپنی جوانی رخصت
”رات آخر ہوئی وہ صبح کا تارا چمکا“
پیری میں کیوں نہ داغ تمنا چمک اٹھیں
”ہوتی ہے دل فریب نہایت بہار صبح“
دعا سے ہاتھ اٹھا اے ننگ الفت
”اثر کیسا؟ تمنائے اثر تک“
لگے سر میں پتھر ملا پھل جنوں کا
”ہوا نخل غم بارور چلتے پھرتے“

حضرت فانی گورکھپوری کو ایک بار جگر بسوانی نے اپنے یہاں بسواں کے مشاعرے میں مدعو کیا مگر وہ خود تو نہیں جا سکے مگر اپنا کلام بھیج دیا جسے کسی اور نے پڑھا اور ان کا کلام ہی حاصل مشاعرہ قرار پایا۔۔۔۔۔۔(جاری) ■■■■■■■■

(ص:37 کا بقیہ)... مگر آپ جب بچوں کو جنگل کی خوبصورتی دکھانے جاتے ہیں تو جنگلی جانوروں اور خطرناک مقامات سے حفاظت کے انتظام و انصرام کے ساتھ جاتے ہیں۔ تو بچے کو موبائل فون تھما کر ہم کیوں بچے کو نقصان پہنچانے والے خطروں سے بے خبر ہو کر خواب خرگوش کے مزے لیتے نظر آتے ہیں؟

بحیثیت والد/والدہ/سرپرست ہماری ذمہ داری ہے کہ بچوں کے لیے موبائل کے استعمال کا ایک معینہ وقت مقرر کریں، اور صرف تعلیمی یا مثبت تفریحی مواد تک رسائی دیں۔ اس کے لیے آپ پلے اسٹور پر موجود متعدّد ایپلیکیشنز کا سہارا لے کر بچوں کی فون کی سرگرمیوں کو نہ صرف دیکھ سکتے ہیں بلکہ کنٹرول بھی کر سکتے ہیں، مگر جن کے پاس وقت ہے ان کے لیے خود نگرانی زیادہ مناسب ہوگی۔

اپنے بچوں کو آؤٹ ڈور و ان ڈور کھیل، مطالعہ، قصہ گوئی، فنون لطیفہ اور خاندانی گفتگو جیسے مشغلوں میں مصروف رکھیں تاکہ بچے موبائل کی لت سے بچے رہیں۔

بچے وہی سیکھتے ہیں جو وہ دیکھتے ہیں۔ اگر والدین خود موبائل کے عادی ہوں، تو بچوں کو روکنا محال ہو جاتا ہے۔ لہٰذا والدین کو چاہیے کہ بچوں کے سامنے صرف ضروری امور کے لیے ہی موبائل استعمال کریں، بے وجہ اسکرولنگ وغیرہ سے پرہیز کریں۔

ٹیکنالوجی کے مثبت پہلوؤں کا استعمال وقت کے ساتھ چلنے کے لیے ضروری ہے۔ لہٰذا موبائل کو دشمن بنانے کے بجائے دوست بنائیں۔ اور اس میں تعلیمی ایپس، تعلیمی کارٹون، اسلامی کہانیاں، یا سائنسی تجربات کی ویڈیوز کے ساتھ بچے کی دلچسپی کا لحاظ کرتے ہوئے دیگر مثبت مواد سے بچوں کی بہتر ذہنی نشوونما کی جا سکتی ہے۔

کسی نے کہا تھا کہ: ”موبائل کو صرف سہولت سمجھیں، وقت کی نزاکت کا حوالہ دیتے ہوئے اسے عبادت نہ بنالیں“۔ اسی طرح یہ بھی کہا جاتا ہے کہ: ”زیادہ روشنی بھی آنکھوں کو خیرہ کر دیتی ہے“۔ بچوں کو موبائل کے ناپیدا کنار سمندر میں غوطہ لگانے کی اجازت دینے کا ارادہ کر ہی لیا ہے تو، انھیں بصیرت، فہم اور توازن کے ساتھ تیرنا سکھانا ہوگا۔ تاکہ وہ کل کے چراغ بن کر قوم کی رہنمائی کر سکیں، نہ کہ خود اندھیرے میں گم ہو جائیں۔ ■■■

نقد و نظر

# یاد مجمع البحرین—ایک مطالعہ

تبصرہ نگار: شہروز مخفی

یہاں مجمع البحرین سے مراد ہے حضرت شاہ مفتی محمد عبید الرحمٰن رشیدی مصباحی قُدّس سرّہٗ۔ 8 جنوری 1947ء کو موضع بینی باڑی، کٹیہار، بہار میں آنکھیں کھولیں۔ والد گرامی ہیں حکیم لطیف الرحمن رشیدی قُدّس سرّہٗ۔ چمنی بازار، بنارس، بریلی شریف جیسے علمی مراکز میں تعلیم حاصل کی۔ چار سال مبارک پور کی علمی فضا میں رہ کر 1967ء میں معقولات و منقولات کے مسلم الثبوت استاذ بن گئے۔ پھر جمشید پور، بنارس، جلال پور، ناگ پور، ممبئی، گھوسی، بریلی شریف اور چمنی بازار شریف میں دو دہائیوں تک علمی جوہر لٹائے۔ والد گرامی سلسلہ رشیدیہ سے منسلک تھے، فرزند بھی اسی سلسلہ کے بزرگ سید شاہ مصطفٰی علی سبزپوش قدّس سرّہٗ کی زلف گرہ گیر کے اسیر ہو گئے۔ 1986ء میں سلسلہ رشیدیہ کے میر کارواں بنے، یعنی سلسلہ کی مسند کے آپ گیارہویں سجّادہ نشیں بنا دیے گئے۔ تین دہائیوں سے زائد آپ نے اس مسند کو زینت بخشی۔ کم وکیف دونوں لحاظ سے سلسلہ رشیدیہ کی آبیاری میں اپنی نصف زندگی کھپا دی۔ یہاں تک کہ 22 مارچ 2024ء کو خود جنت نشیں بن گئے۔

"یاد مجمع البحرین" حضرت مجمع البحرین پر ارباب علم و دانش کے تازہ ترین تاثرات کا گراں قدر مجموعہ ہے۔ شاہ عبد العلیم آسی فاؤنڈیشن نے اس کی اشاعت کی ہے۔ صفحات 486 ہیں۔ تعداد

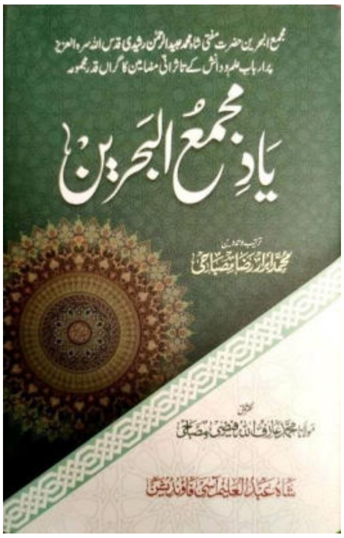


600 ہے۔ قیمت 400 درج ہے۔ سن اشاعت 2025ء ہے۔ مولف ہیں مولانا ابرار رضا مصباحی۔ موصوف بارسوئی، کٹیہار کے باشندہ ہیں۔ 2010ء میں جامعہ اشرفیہ مبارک پور سے فضیلت کی دستار حاصل کی۔ جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی سے اردو میں گریجویشن کیا۔ وہیں سے ایم۔اے (فارسی) کی ڈگری لی۔ یو۔جی۔سی نیٹ (فارسی) میں کامیابی کا پرچم لہرا کر جامعہ ملّیہ اسلامیہ دہلی میں پی۔ایچ۔ڈی میں رجسٹریشن کرا چکے ہیں۔ میانہ قد، چھریرے بدن کے یہ فاضل گرچہ جوان ہیں، مگر علم و ہنر، تحریر و قلم، تصنیف و تالیف، گفتار و رفتار، اخلاق و کردار سے بزرگ معلوم ہوتے ہیں۔ سلسلہ رشیدیہ کے متوسّلین میں معتبر اور حضرت مجمع البحرین کے مرید اور معتمد خاص رہ چکے ہیں۔ خوشی کی بات یہ ہے کہ میرے دوست بھی ہیں۔ شاہ عبد العلیم آسی فاؤنڈیشن کے نگراں اور درجنوں کتابوں کے مؤلف، مصنف، مترجم اور محقق ہیں۔ اس کتاب کی ترتیب میں بھی انھوں نے جان توڑ کوشش کی ہے۔ کتاب پر نظر ثانی کا کام حضرت مولانا عارف اللہ فیضی مصباحی جیسی عظیم علمی شخصیت نے انجام دیا ہے۔ اس سے کتاب میں حسن کا اضافہ یقینی بات ہے۔

"یاد مجمع البحرین" اپنے طرز کی ایک امتیازی کتاب ہے۔



موہنا، چوکی، کدوا، کٹیہار، بہار

کسی شخصیت پر مضامین جمع کرنے کا عام طریقہ یہ ہے کہ مختلف موضوعات متعیّن کر لیے جاتے ہیں اور متعیّن ارباب قلم سے مضامین لکھوا لیے جاتے ہیں۔یہاں کسی کو موضوع نہیں دیا گیا ہے۔کس نے حضرت مجمع البحرین کو کب،کس طرح دیکھا اور کیسا پایا؟انھیں باتوں کو ہر ایک نے اپنے اپنے انداز میں پیش کر دیا ہے۔میں نے اس کتاب کا تقریبًا استیعابی مطالعہ کیا ہے۔سچ یہ ہے کہ مزہ آ گیا۔مولانا ابرار رضا مصباحی کے لیے دل سے دعا نکلی۔مجمع البحرین کی زندگی کے بہت سے اہم گوشے شاید اجاگر نہیں ہو پاتے اگر یہ طرز نہ اپنایا جاتا۔یہ کتاب صرف مجمع البحرین کی یادوں کا مجموعہ نہیں، بلکہ ان کی پیدائش سے وفات تک کل ستہتر سال کے ہندوستان کی علمی،عملی،مذہبی، ثقافتی تاریخ کی دستاویز ہے۔اس کتاب کو سامنے رکھ کر متعدّد مذہبی موضوعات پر تصنیف و تالیف کا ایک جہان آباد کیا جا سکتا ہے۔

کتاب کا انتساب حضرت مجمع البحرین کے پیر و مرشد، خانقاہ رشیدیہ کے دسویں سجادہ نشیں سید شاہ مصطفیٰ علی سبز پوش کے نام ہے۔صفحہ 12 سے 27 تک مؤلف کا گراں قدر مقدمہ ہے۔پھر کتاب کو چھ کالموں میں بانٹا گیا ہے۔

**احوال و کوائف:** اس کالم میں مفتی محمد نظام الدین رضوی مصباحی، مفتی محمد شمس الدین رضوی، مفتی ذوالفقار علی رشیدی مصباحی،ڈاکٹر ہادی سرمد،ڈاکٹر امتیاز سرمد، مفتی محمد زبیر احمد صدیقی وغیرہ کے کل 25 مضامین ہیں۔ناچیز کے مضمون کو بھی متعدّد تراش خراش کے بعد اس میں جگہ دی گئی ہے، میری ایک دو لغزشیں جسے ہٹانے کی بات تھی، نہیں ہٹائی گئیں۔

**حقائق و مشاہدات:** صفحہ 163 سے حقائق و مشاہدات کا کالم شروع ہوتا ہے۔علامہ محمد احمد مصباحی، مولانا عبد المبین نعمانی قادری،ڈاکٹر عاصم اعظمی،ڈاکٹر سید شمیم احمد گوہر مصباحی، مفتی سلیم مصباحی، مولانا وارث جمال قادری، مفتی سید محمد فاروق عالم رضوی، مولانا مبارک حسین مصباحی،ڈاکٹر سجاد عالم رضوی مصباحی وغیرہ کے کل 18 مضامین شامل ہیں۔

**مراتب و کمالات:** تیسرا کالم مراتب و کمالات کا ہے، صفحہ 250 سے یہ کالم شروع ہوتا ہے۔مولانا سید جلال الدین اشرف اشرفی جیلانی، سید طارق علی سبز پوش، مولانا عارف اللہ فیضی مصباحی،ڈاکٹر اعجاز انجم لطیفی، مولانا سیف الدین اصدق مصباحی، مولانا ظفر الدین برکاتی مصباحی وغیرہ اٹھارہ قلم کاروں کے مضامین اس میں ہیں۔

**اوصاف و خصائل:** اس عنوان کے تحت پروفیسر نصرت جمال، شاہ ظفر الیقین قلندر، مفتی شمس الہدیٰ نوری، مولانا رونق احسان برکاتی مصباحی، مولانا خواجہ ساجد عالم لطیفی مصباحی وغیرہ کی تحریریں ہیں۔

**تعزیتی پیغامات:** علامہ سید محمد مدنی میاں، سید شاہ دانش علی سبز پوش، مولانا سید محمود اشرف اشرفی جیلانی، مولانا سید محمد اشرف اشرفی جیلانی، پروفیسر فاروق احمد صدیقی، مفتی بدر عالم مصباحی، مفتی رضاء الحق اشرفی، مولانا نفیس احمد مصباحی،ڈاکٹر غلام زرقانی،ڈاکٹر محمد حسین مشاہد رضوی وغیرہ 22 علما و مشائخ کے تعزیتی پیغامات کو اس کالم میں جگہ دی گئی ہیں۔

**منظومات:** کتاب کے اس آخری گوشے میں محمد امجد علی قادری، سید شمیم احمد گوہر، حسین مشاہد رضوی، واصف رضا واصؔف وغیرہ کے منظومات شامل ہیں۔واصف رضا واصؔف بالکل نو عمر ہیں۔نو عمری کے حساب سے ان کی نظم مثنوی کی ہیئت میں بہت دل چسپ ہے۔

کتاب پر تبصرہ اس وقت نامکمل ہوگا اگر حضرت مجمع البحرین پر چند تاثرات ذکر نہ کیے جائیں۔اختصار کے پیش نظر چند مختصر اور اچھوتے اقتباسات قارئین کی نذر کیے جاتے ہیں۔

◘ ”اس میں شک نہیں کہ وہ ایک بلند پایہ محقق، عمدہ فقیہ، زبردست پیر، اچھے منتظم اور سلسلہ رشیدیہ کے فروغ میں اہم کردار کے حامل تھے۔“ (علامہ محمد احمد مصباحی)

''آپ نے پیشہ ورانہ پیری مریدی کبھی نہیں کی... لوگ صوفی بنتے ہیں، مگر آپ واقعی صوفی تھے۔ اندر باہر سب یکساں تھا۔ منافقت اور ریاکاری کی آپ کے یہاں کچھ بھی گنجائش نہیں تھی۔'' (مولانا عبدالمبین نعمانی قادری)

''جامع معقولات و منقولات ہونے کے ساتھ ان کے شعری ذوق پر اس وقت بڑی حیرت ہوتی جب وہ گفتگو میں برمحل میر و غالب کے اشعار پڑھتے۔ کلام رضا و آسی پیش کرتے۔''
(ڈاکٹر محمد عاصم اعظمی)

''بات بات میں ایسے ایسے علمی نکات اور ایسے فنی رموز کا اظہار فرماتے تھے کہ جنھیں سن کر بے ساختہ نعرہ بلند کرنے کو جی چاہنے لگتا۔'' (ڈاکٹر سید شمیم احمد گوہر مصباحی)

''آپ ایک خود دار عالم ربانی تھے، چاپلوسی سے کوسوں دور تھے، تواضع و انکساری فطرت ثانیہ تھی۔ غرور و تکبر کا شائبہ بھی نہیں تھا۔'' (مولانا مبارک حسین مصباحی)

''کٹیہار ضلع میں حضرت مفتی محمد عبیدالرحمٰن رشیدی کی اجازت کے بغیر جمعہ قائم کرنا جائز نہیں۔'' (مفتی محمد مطیع الرحمن مضطر پورنوی بروایت مفتی محمد مبشر رضا ازہر مصباحی)

''آپ کا روحانی تصرف اور باطنی کمال ہی تھا کہ یہ سارے امور و معاملات بحسن و خوبی انجام پاتے تھے۔''
(سید شاہ طارق علی سبز پوش)

''خانقاہ رشیدی کا سجادہ نشیں ہونے کے بعد انھوں نے موجودہ سجادگان کی روش کے برخلاف قدیم بزرگان دین کا طور و طریق اپنایا۔'' (مولانا عارف اللہ فیضی مصباحی)

''بچپن سے میری نشست و برخاست حضرت مفتی شاہ عبیدالرحمٰن رشیدی کے ساتھ زیادہ رہی..... میں نے ان کو ہر عمر میں نیک، عقل مند اور سنجیدہ پایا۔'' (مفتی شمس الہدیٰ نوری)

''آپ نے اپنی ولایت کو اپنی فقاہت کے پردے میں چھپا دیا تھا''۔ (ملخصاً مولانا ابرار رضا مصباحی)

خلاصہ یہ ہے کہ کتاب یاد مجمع البحرین اپنے اندر ظاہری و باطنی حسن لیے ہوئے ہے۔ مضبوط بندش، عمدہ کاغذ، مجلد ہے، جلد پر ایک خوبصورت کور بھی چڑھا ہے۔ کور کے پشت پر سید شاہ ہاشم علی سبز پوش ایک مکتوب بنام مجمع البحرین ہے۔ کور کے حاشیتین پر حضور حافظ ملت الشاہ عبدالعزیز محدث مرادآبادی، علامہ ارشد القادری اور ڈاکٹر شکیل احمد اعظمی کے مکتوبات بنام مجمع البحرین مطبوع ہیں۔ ٹائپنگ کی غلطیوں سے کتاب پاک ہے۔ البتہ کتاب کی سیٹنگ کے بعد شاید اس پر نظر ثانی نہیں ڈالی گئی ہے۔ درجنوں جگہ دو الفاظ آپس میں مل گئے ہیں۔

آخری دو صفحات پر شاہ عبدالعلیم آسی فاؤنڈیشن کی چند اہم مطبوعات کی فہرست ہے۔ ان میں سے سمات الاخیار، از مولانا عبدالمجید کاتب مصطفیٰ آبادی، بندگی شیخ مصطفےٰ عثمانی: احوال و آثار، از مولانا ابرار رضا مصباحی، وسیلۃ النجاۃ، از شیخ احسن اللہ علوی، ترجمہ از مولانا ابرار رضا مصباحی، رفیق العارفین، از فرید بن سالار عراقی، اختیار نبوت، از مجمع البحرین کے مکمل مطالعہ کا شرف ناچیز کو حاصل ہے۔ اختیار نبوت کے سوا ہر ایک پر تفصیلی تبصرہ بھی رقم کر چکا ہے۔ البتہ رفیق العارفین پر تبصرہ تشنۂ اشاعت ہے۔ صحائف السلوک، اور عین المعارف کا مطالعہ جاری ہے۔ بوستان آسی (تینوں جلدوں) کے مطالعہ کا ارادہ ہے۔ خدا توفیق بخشے۔

حضرت مجمع البحرین پر ابھی موٹے طور پر چار کام کرنے کی اشد ضرورت ہے: (۱) ان کے فتاوے کی ترتیب و اشاعت (۲) مقالات و مضامین کی ترتیب و اشاعت (۳) مکتوبات کی اشاعت (۴) مجلسی ملفوظات کی تدوین و اشاعت

اللہ تعالیٰ ان کے متوسلین کو اس کی توفیق بخشے، مؤلف کتاب مولانا ابرار رضا مصباحی کی اس کاوش کو قبول فرمائے، حضرت مجمع البحرین کو جنت میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ آمین بجاہ النبی الکریم۔ ❋❋

# صدائے بازگشت

## ایک دردمند پکار

محترم مہتاب پیامی !السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کی یہ تحریر (جولائی 2025 کا اداریہ) ایک دردمند پکار ہے، ایک ایسی کہانی ہے جو زمین کی خاموش سسکیوں اور انسانی غفلت کے شور سے بُنی گئی ہے۔ آپ نے ایک سائنسی حقیقت کو نہایت ہی فنکارانہ اور بلیغ انداز میں پیش کیا ہے، جس میں معلومات اور احساسات کا حسین امتزاج ہے۔

آپ نے زمین کے محور کی گردش کو ایک رقاصہ کے رقص سے تشبیہ دے کر قاری کو ایک دلنشیں تصور میں غرق کر دیا ہے۔ محور کا جھکاؤ، موسموں کی ترتیب، دن رات کا نظام — یہ سب ایک نازک اور دائمی رقص کی مانند ہیں، جس میں ذرا سی بھی بے ترتیبی کائنات کے اس ہم آہنگ نظام کو درہم برہم کر سکتی ہے۔ آپ نے اس رقص میں لغزش کے امکان کو بیان کر کے ایک تشویش ناک صورت حال کی طرف اشارہ کیا ہے، جو قاری کے ذہن پر گہرا اثر چھوڑتی ہے۔

ہندوستان میں زیرِ زمین پانی کے بے دریغ استعمال کے نتیجے میں زمین کے محور میں آنے والی تبدیلی کا ذکر آپ نے نہایت ہی مؤثر انداز میں کیا ہے۔ ناسا کی تحقیق کے حوالے سے اعداد و شمار پیش کرنا آپ کے دعوے کو مضبوط بناتا ہے، اور قاری اس سنگین مسئلے کی حقیقت سے بخوبی آگاہ ہو جاتا ہے۔

پانی کی اہمیت اور اس کی قدر و منزلت کو آپ نے جس شاعرانہ انداز میں بیان کیا ہے، وہ قابلِ داد ہے۔ اسے محض ایک مادی عنصر قرار نہ دیتے ہوئے، آپ نے اسے اللہ تعالیٰ کی قدرت کا آئینہ اور ایک عظیم نعمت قرار دیا ہے۔ آپ کے الفاظ میں وہ سوز اور درد پنہاں ہے جو پانی کی بے قدری کے سبب دل میں محسوس ہوتا ہے۔ "وہ پانی جو کبھی زندگی کا استعارہ تھا، آج موت کا پیغام بن چکا ہے" — یہ ایک ایسا جملہ ہے جو موجودہ صورتحال کی تلخ حقیقت کو بے نقاب کرتا ہے۔

بھارت کو کبھی دریاؤں کی سرزمین کہنے اور آج اسے ایک تشنہ لب قافلے کی صورت میں دیکھنے کا منظرنامہ آپ نے بہت ہی دردناک انداز میں کھینچا ہے۔ زیرِ زمین پانی کے خزانوں کے بے دریغ استعمال اور اس کے نتیجے میں زمین کے توازن میں آنے والی تبدیلی کو آپ نے ایک ایسی کہانی قرار دیا ہے جو وقت، زمین اور کائنات کی گہرائیوں میں پنہاں ایک بڑے تغیر کی ابتدائی داستان ہے۔ یہ تشبیہ مستقبل کے ان سنگین نتائج کی طرف اشارہ کرتی ہے جو ہماری غفلت کے سبب رونما ہو سکتے ہیں۔

پنجاب، ہریانہ، راجستھان، اترپردیش اور تمل ناڈو جیسی ریاستوں کی تشنگی اور دہلی، بنگلور اور چنئی جیسے شہروں کی پانی کی بوند بوند کو ترسنے کی تصویر کشی ایک المیے سے کم نہیں ہے۔ کسان جو کبھی بارش کی ایک بوند پر سجدہ ریز ہوتا تھا، اب موٹر اور بورویل کی گرج میں فطرت کی سرگوشیاں سننے سے قاصر ہو چکا ہے — یہ جملہ صنعتی ترقی کی بھینٹ چڑھتی ہوئی فطرت اور اس کے نتیجے میں انسانی زندگی پر پڑنے والے اثرات کو بخوبی بیان کرتا ہے۔

"زمین کے قطب شمالی کا 78 سینٹی میٹر مشرق کی جانب سرک جانا محض ایک سائنسی واقعہ نہیں، بلکہ زمین کی سانسوں کے بھٹک جانے کا عمل ہے" — یہ استعارہ اس تبدیلی کی سنگینی اور اس کے دور رس نتائج کو واضح کرتا ہے۔ دن اور رات کے چکر میں خلل، بے ترتیب موسم، قطبین پر سورج کی شعاعوں کا بڑھتا ہوا دائرہ، برف کا پگھلنا، قحط، طوفان، خشک سالی اور بے موسم بارشیں — یہ سب ایک ایسے مستقبل کی جھلکیاں ہیں جو ہماری بے احتیاطی کے نتیجے میں ہمارے سامنے آ سکتا ہے۔ ممبئی، کولکتہ جیسے شہروں کے سمندر میں ڈوبنے اور گلف اسٹریم جیسے بحری دھاروں کے کمزور پڑنے کے امکانات ایک خوف ناک منظر پیش کرتے ہیں۔

زمین کو ایک زندہ جسم قرار دینا اور اس کے اندرونی دباؤ کے چھیڑے جانے پر زلزلوں اور آتش فشاں کے پھٹنے کی تشبیہ فطرت کے ردعمل کی شدت کو اجاگر کرتی ہے۔ "رنگ آف فائر" میں تیز ہوتی

ہوئی سرگرمیاں اور طوفانوں کی شدت میں اضافہ ماحولیاتی تبدیلیوں کے تباہ کن اثرات کی نشاندہی کرتا ہے۔

"یہ محض پانی کا بحران نہیں یہ انسان کی عاقبت نااندیشیوں کے خلاف فطرت کا انتقام ہے" - یہ ایک ایسا جملہ ہے جو اس تحریر کے مرکزی خیال کو جامعیت کے ساتھ بیان کرتا ہے۔ زمینی نشست (land subsidence) کے آثار اور ندیوں کا بہاؤ کم ہونا اس انتقام کے ابتدائی مظاہر ہیں۔ یمنا، گوداوری اور کرشنا کی خشک ہوتی ہوئی آنکھیں ایک ایسی داستان بیان کرتی ہیں جو کبھی تہذیبوں کی نرسری تھیں اور آج اپنی ہی زمین سے بچھڑ کر سسک رہی ہیں۔

آخر میں آپ نے اس خوف ناک صورت حال کا حل اسلام کے درس اعتدال میں تلاش کیا ہے۔ قرآن مجید کی آیات اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کے حوالے سے پانی کی اہمیت، اس کی پاکیزگی اور اس کے استعمال میں اعتدال کی تلقین آپ کے استدلال کو مضبوط بناتی ہے۔ پانی کو حیات کا سرچشمہ قرار دینا، اسے پاکیزگی کا وسیلہ بتانا، اس کے بے جا استعمال کو اسراف قرار دینا اور اس کی حفاظت اور منصفانہ تقسیم پر زور دینا - یہ سب اسلامی تعلیمات کی روشنی میں پانی کی قدر وقیمت کو اجاگر کرتے ہیں۔

آپ نے پانی کو اللہ تعالیٰ کی رحمت کی نشانی قرار دے کر اس کی روحانی اہمیت کو بھی واضح کیا ہے۔ اسے ضائع کرنے کو ناشکری اور آلودہ کرنے کو رحمتِ الٰہی کی توہین قرار دینا ایک گہرا پیغام دیتا ہے۔ وضو کرتے ہوئے بھی پانی کے اسراف سے منع کرنے والی حدیث ہمارے لیے ایک واضح رہنمائی ہے۔

مجموعی طور پر، آپ کی یہ تحریر ایک فکر انگیز اور مؤثر ادبی کاوش ہے۔ آپ نے ایک اہم اور سنگین مسئلے کو نہ صرف سائنسی حقائق کی روشنی میں پیش کیا ہے، بلکہ اسے ایک دردناک کہانی کی صورت میں بیان کر کے قاری کے دل ودماغ پر گہرا اثر چھوڑا ہے۔ آپ کا اندازِ بیان شاعرانہ، بلیغ اور مؤثر ہے، جو قاری کو اس مسئلے کی گہرائی میں اترنے اور اس کے حل کے بارے میں سوچنے پر مجبور کرتا ہے۔ آپ نے معلومات، احساسات اور اسلامی تعلیمات کو یکجا کر کے ایک ایسی تحریر تخلیق کی ہے جو نہ صرف موجودہ صورتحال کی عکاسی کرتی ہے بلکہ مستقبل کے لیے ایک واضح پیغام بھی دیتی ہے۔ فقط

**مفتی ڈاکٹر سبطین مرتضوی**

**(ص:57 کا بقیہ)** ان کی پتھرائی آنکھیں اور دکھ سے نڈھال چہرے ان کی دلی حالت اور ان کے بے تحاشہ درد والم کی کہانیاں بیان کر رہے تھے۔

اہل خانہ کے بوجھل قدموں کے پیچھے پیچھے ہم نے بھی قدم بڑھائے اور مرحوم کے گھر میں داخل ہوئے۔ گھر میں داخل ہوئے تو محسوس ہوا کہ جیسے یہ مکان مکینوں سے بالکل خالی ہے اور کیوں نہ ہو آخر ایک جواں سال بیٹا اور ایک عالم دین اس گھر سے رخصت ہوا تھا۔ خیر جب ہم سب گھر کے ایک کمرے میں بیٹھ گئے تو حافظ صادق نے ایک نحیف وناتواں شخص کو ہمارے روبرو کرتے ہوئے کہا کہ یہ مفیض بھائی کے والد ہیں اور انھیں سامنے پڑی کرسی پر بٹھا دیا۔ ان کے چہرے کا رنگ دیکھ کر ہمارے چہروں کا رنگ اڑ گیا۔ وہ شاید ہمارے سامنے بیٹھنا نہیں چاہ رہے تھے اور اپنے آنسوں چھپانا چاہتے تھے۔ بہر حال ہمارے بزرگوں نے جامعہ کی طرف سے تعزیتی کلمات پیش فرمائے جن کو سن کر ان کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی۔ کافی تسلی دینے کے بعد ان کی زبان کھلی اور اپنے عزیز از جان بیٹے کے بارے میں کچھ بولنا شروع کیا مگر دکھ کی وجہ سے ان کی زبان لڑکھڑا رہی تھی، ہاتھ کانپ رہے تھے اور آواز گلے میں پھنس رہی تھی پھر بھی بولنے کی کوشش کر رہے تھے اور اپنے بیٹے کے آخری وقت کے حالات ہمیں سنا رہے تھے، دکھوں سے ٹوٹے جسم کو سنبھالتے ہوئے بہت سی باتیں ذکر کیں اور بہت روئے۔ اس کے بعد حضرت قاری ابوذر صاحب نے قل شریف پڑھا اس کے علاوہ ڈھائی سو پارے جو جامعہ اشرفیہ کے طلبہ نے تلاوت کر کے جمع کیے تھے، سب کا ایصال کیا گیا حضرت مفتی صاحب قبلہ نے دعا فرمائی، اس کے بعد فوراً ہم سب لوگ قبر پر حاضر ہوئے وہاں بھی فاتحہ خوانی کی۔ فاتحہ خوانی کے بعد پسماندگان خصوصا مرحوم کے والد محترم سے واپسی کی اجازت طلب کی، انھوں نے نم آنکھوں سے رخصت کیا مگر اب ان کی حالت پہلے سے بہتر تھی، وہ ہمارے بزرگوں کی تسلی اور تعزیت سے بہت مطمئن نظر آئے۔

پانچ بجے جامعہ اشرفیہ کے لیے روانہ ہوئے اور جس وقت جامعہ میں داخل ہوئے تو عشا کی اذان سے جامعہ کی فضا مشکبار ہو رہی تھی۔ از: **مولانا جنید احمد مصباحی**، استاذ جامعہ اشرفیہ

## اسرائیل کینسر ہے

21 جون۔ شمالی کوریا کا کہنا ہے کہ اسرائیل ایک کینسر ہے اور مشرق وسطیٰ کے امن کے لیے بیماری بن چکا ہے۔ شمالی کوریا کی وزارت خارجہ کا کہنا ہے کہ اسرائیل عالمی امن و سلامتی کو تباہ کرنے کا سب سے بڑا مجرم ہے، اسرائیلی جارحیت کی مذمت کرتے ہیں۔

ترجمان شمالی وزارت خارجہ کا کہنا ہے کہ اسرائیلی جارحیت غیر مستحکم مشرق وسطیٰ میں وسیع جنگ کو جنم دے سکتی ہے۔ وزارت خارجہ کا کہنا ہے کہ اسرائیلی حملوں سے شہریوں کو نشانہ بنانا انسانیت کے خلاف ناقابل معافی جرم ہے، تل ابیب ریاستی سرپرستی میں دہشت گردی کر رہا ہے۔ شمالی کوریا نے امریکا اور یورپی ممالک کو مداخلت نہ کرنے کی بھی تنبیہ کی ہے۔

دوسری جانب ایرانی وزیر خارجہ عباس عراقچی کا کہنا ہے کہ جارحیت رک جائے تو ایران بات چیت کے لیے تیار ہے، ایران ایٹمی پروگرام پرامن ہے، ہمیشہ آئی اے ای اے کی نگرانی میں رہا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ محفوظ شدہ جوہری تنصیبات پر حملے عالمی قانون کی خلاف ورزی ہیں۔

عباس عراقچی کا کہنا ہے کہ یورپی ممالک کی جانب سے اسرائیل کی مذمت نہ کرنے پر تحفظات ہیں، ایران مجرموں کا احتساب ہونے کے بعد پھر سفارت کاری پر غور کو تیار ہے۔

ایرانی وزیر خارجہ نے کہا کہ ایرانی دفاعی صلاحتیں ناقابل مذاکرات ہیں، ای 3 اور یورپی یونین کے ساتھ گفتگو جاری رکھنے کی حمایت کرتے ہیں، فرانس، جرمنی، برطانیہ اور ای یو حکام کے ساتھ دوبارہ ملاقات کے لیے تیار ہیں۔

## دنیا کی نظر میں اسرائیل

21 جون۔ اسرائیل کے وزیر اعظم نیتن یاہو کے غزہ اور ایران پر کیے جانے والے حملوں کے بعد دنیا بھر میں اسے کس نگاہ سے دیکھا جا رہا ہے، اس کا اندازہ تازہ امریکی سروے رپورٹ سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔

اسرائیل کے ان اقدامات بعد لوگوں میں اس کیخلاف نفرت پیدا ہو رہی ہے اس سلسلے میں امریکی تھنک ٹینک پیو ریسرچ سینٹر کی جانب سے ایک سروے کیا گیا۔

اس سروے رپورٹ کے مطابق اس وقت دنیا کے 24 ممالک میں اسرائیل اور نیتن یاہو کے بارے میں منفی سوچ پائی جاتی ہے۔ ان ممالک میں کینیڈا، امریکہ برطانیہ اور فرانس نمایاں ہیں۔ یہ ممالک ماضی میں اسرائیل کے ساتھ مضبوط تعاون فراہم کرتے رہے ہیں۔ رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ 58 فیصد اسرائیلی یہ سمجھتے ہیں کہ ان کو دنیا میں عزت نہیں مل رہی، جب کہ 39 فیصد کا خیال ہے کہ دنیا ان کو عزت کی نگاہ سے دیکھ رہی ہے۔

دوسری جانب لوگوں کا خیال ہے کہ ایران اسرائیل جنگ میں پاکستان اور بھارت پر کیا اثرات مرتب ہوں گے؟ اس حوالے سے بھارتی نیوز آؤٹ لیٹ دی ڈپلومیٹ میں شائع ہونے والے ایک مضمون میں کہا گیا ہے کہ کمزور ایران خطے میں ہندوستان کے قدم جمانے کو خطرے میں ڈال دے گا اور حریف

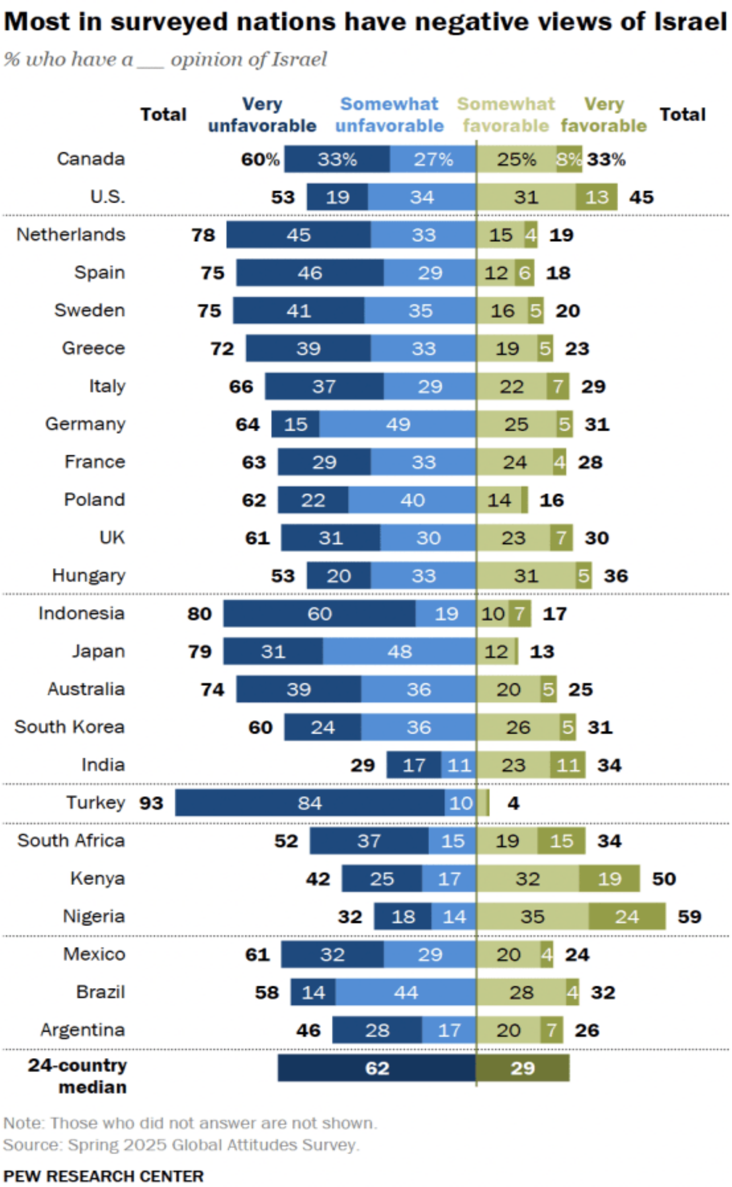


پاکستان کو فائدہ پہنچائے گا۔
آرٹیکل کے مطابق ایران اسرائیل تنازعہ کئی وجوہات کی بنا پر بھارت کے لیے بھی بری خبر ہے، سب سے پہلے ایران وسطی ایشیا میں ہندوستان کے لیے کام کرتا ہے، ہندوستان نے ایران کی چاہ بہار بندر گاہ میں اربوں کی سرمایہ کاری کی ہے جو پاکستانی بندر گاہ گوادر پورٹ کی مدمقابل ہے۔
وسطی ایشیا بھارت کے لیے نہ صرف توانائی کی حفاظت کے حوالے سے اہم ہے بلکہ اس میں نایاب زمینی معدنیات کی کثرت کی وجہ سے بھی ہے لیکن بھارت اس خطے کے ساتھ براہ راست سرحد نہیں رکھتا اس لیے اس کی تجارتی صلاحیت محدود ہے۔
آرٹیکل میں کہا گیا ہے کہ ایران اسرائیل تنازعہ ہندوستان کے رابطے کے منصوبوں کو خطرے میں ڈال دے گا، اور بین الاقوامی شمال جنوب کوریڈور کی طویل متوقع پیش رفت میں رکاوٹ ڈالے گا۔ علاقائی کشیدگی بھارت اور افغانستان کے درمیان تعلقات کو بھی منقطع کر دے گی، یہ تجارتی تعلقات بھی چاہ بہار سے گزرتے ہیں۔
آن لائن نیوز میگزین کے آرٹیکل کے مطابق اس منظر نامے میں چین تیزی سے افغانستان کی جگہ لے لے گا جیسا کہ وہ طویل عرصے سے کرنے کی کوشش کر رہا ہے، حالیہ چین پاکستان افغانستان سہ فریقی مذاکرات اس سلسلے میں چین کی کوششوں کی تازہ ترین مثال ہے۔ ❊❊

# خیر و خبر

## تعلیم و تعلم سے متعلق دو چراغ بجھ گئے

جامعہ اشرفیہ کے شعبہ پرائمری کے ایک سینئر استاذ جناب ماسٹر محمد انس (مبارک پور، عمر 61 سال) کا 27 مئی 2025 کی شب انتقال ہو گیا اور درجۂ رابعہ کے ایک ہونہار طالب علم محمد مفیض (بنارس، یوپی، عمر تقریباً 20) کا دماغی بخار کی وجہ سے وصال ہو گیا۔ ان کے ایصال ثواب کے لیے مؤرخہ 2 ذی الحجہ 1446ھ مطابق 30 مئی 2025ء بروز جمعہ بعد نماز فجر عزیز المساجد جامعہ اشرفیہ مبارک پور میں ایک دعائیہ مجلس کا اہتمام کیا گیا۔ اس روح پرور اجتماع میں جامعہ کے اساتذۂ کرام، طلبہ اور مقامی عوام نے شرکت کی۔ کچھ دیر تک قرآن مجید کی تلاوت اور فاتحہ خوانی ہوئی اس کے بعد شیخ الجامعہ حضرت علامہ مفتی بدر عالم مصباحی دام ظلہ العالی نے مرحوم استاذ اور مرحوم طالب علم کی مغفرت و ترقی درجات کے لیے رقت انگیز دعا کی، نیز جامعہ اشرفیہ سے وابستہ جملہ اساتذۂ کرام، معاونین مخلصین محبین کے مرحومین کے لیے بھی دعاے رحمت و مغفرت اور ان کے متعلقین و پسماندگان کے لیے صحت و شفا اور دین و دنیا میں ترقی و سلامتی کی دعائیں کیں۔ اس روحانی مجلس میں شرکت فرمانے والوں میں حضرت مولانا محمد مسعود احمد برکاتی، حضرت مولانا صدر الوری قادری مصباحی حضرت مولانا حسیب اختر مصباحی خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ (ادارہ)

## ایک تعزیتی سفر

۲۹ مئی ۲۰۲۵ء بروز جمعرات جامعہ اشرفیہ مبارک پور میں زیر تعلیم جماعت رابعہ کے ایک ہونہار نماز باجماعت کے پابند طالب علم محمد مفیض (نور اللہ مرقدہ) وارانسی کا دماغی بخار سے اچانک انتقال ہو گیا جس سے جامعہ کے اساتذہ، طلبہ و اراکین کو دلی صدمہ ہوا۔ دکھ کی اس گھڑی میں جامعہ کے بہت سے طلبہ نے اپنے عزیز ساتھی کے آبائی وطن جا کر نماز جنازہ میں شریک ہو کر اپنے پیارے کا آخری حق ادا کیا۔ جب کہ باقی طلبہ نے اپنے اساتذہ کے ساتھ مل کر بروز جمعہ بعد نماز فجر عزیز المساجد میں قرآن خوانی کی اور مرحوم کے لیے مغفرت کی رقت آمیز دعائیں کیں 31 مئی بروز ہفتہ نبیرہ حافظ ملت شہزادہ عزیز ملت حضرت علامہ مولانا نعیم الدین صاحب قبلہ کی سرپرستی میں ایک پانچ رکنی وفد اپنے عزیز متعلم کے اہل خانہ کو تعزیت پیش کرنے اور اس کی آخری آرام گاہ پر حاضری کے لیے روانہ ہوا۔ اس وفد میں حضرت علامہ مفتی بدر عالم مصباحی قبلہ صدر المدرسین جامعہ اشرفیہ، حضر مولانا ازہر الاسلام ازہری حضرت قاری ابوذر صاحبان اور راقم الحروف جنید احمد مصباحی، اساتذہ جامعہ اشرفیہ، شامل تھے۔

یہ پانچ رکنی وفد بے حد رنج والم کے احساس کے ساتھ تقریباً ساڑھے گیارہ بجے جامعہ سے روانہ ہوا اور ڈھائی بجے مرحوم کے آبائی وطن منگلی پور وارانسی پہنچا۔ اس دکھ بھرے سفر میں حافظ صادق مصطفیٰ اور حافظ نوشاد لوہتہ متعلم جامعہ اشرفیہ بذریعہ فون ہماری رہنمائی کر رہے تھے یہ حضرات جامعہ میں مرحوم کے ہم نوالہ و ہم پیالہ رہے ہیں اور انتقال کے وقت سے تدفین و فاتحہ تک تمام رسومات میں مرحوم کے گھر موجود رہے۔ انھی کے ذریعہ اہل خانہ کو ہماری آمد کے بارے میں معلوم ہو چکا تھا، اس لیے جس وقت ہم منگل پور پہنچے تمام اہل خانہ اور دوست روڈ پر ہماری آمد کے منتظر تھے۔ ہم جیسے ہی گاڑی سے اترے تو بہت سے مغموم چہرے ہمارے سامنے تھے جو سلام و مصافحہ کے دوران اپنا غم چھپانے کی ناکام کوشش کر رہے تھے اور اپنے آنسوؤں پر باندھ باندھے ہوئے تھے۔ (باقی ص:55 پر)

# خیابان حرم

## مناجات

دعاؤں میں اثر رحمان دے دے
ہمیں حج کا سفر رحمان دے دے
دکھا دے پیارا پیارا پیارا کعبہ
سرِ خم چشمِ تر رحمان دے دے
وہ میٹھا میٹھا زم زم جس کے آگے
نہیں کچھ آب زر رحمان دے دے
صفا مروہ منیٰ عرفات مولا
نبی کی رہ گزر رحمان دے دے
غموں کی شام سے دوچار ہیں ہم
مدینے کی سحر رحمان دے دے
جنھیں لے جا سکوں اس بارگہ میں
وہ دل مولا وہ سر رحمان دے دے
سنہری جالیوں کو دیکھنا ہے
ادب والی نظر رحمان دے دے
کرم کردے کرم والے نبی کا
کرم والا نگر رحمان دے دے
دمِ آخر ہو پرؔوانہ کی چاندی
بقیع پاک گر رحمان دے دے

**پروانہ برہان پوری**
8871702698

## آپ کا

دونوں عالم میں نہیں ہے کوئی ہم سر آپ کا
اس قدر اعلیٰ ہے رتبہ میرے سرور آپ کا
آپ سے جب لو لگی حق تک رسائی ہوگئی
کامراں ہے، لے چلا جو نقش دل پر آپ کا
کون دوجا ہے جہاں میں پیروی کے واسطے
رہنما قول و عمل ہے بندہ پرور آپ کا
حور کی چاہت نہ ہم کو خلد کی ہے جستجو
رشک جنت ہے ہمارے واسطے در آپ کا
بوجھ بھاری ہے خطا کا سر پہ لیکن اے جمال
آسرا ہے عاصیوں کو روز محشر آپ کا

**جمال کاکوی**، پٹنہ—7870662357

## آپ ہی سے ہے

ایمان، علم، فکر و نظر آپ ہی سے ہے — شاداب زندگی کا شجر آپ ہی سے ہے
ظلم و ستم کے قصر میں طاری ہے زلزلہ — ایوانِ کفر زیر و زبر آپ ہی سے ہے
ایمان و عدل آپ سے پھیلے جہان میں — کفر و جفا کی ٹوٹی کمر آپ ہی سے ہے
تخلیقِ کائنات ، ضیائے مہ و نجوم — بی آمنہ کے لختِ جگر آپ ہی سے ہے
اے گل عذارِ گلشنِ دنیاے ہست و بود — ”شاداب باغِ دل کا شجر آپ ہی سے ہے“
انسانیت کو آپ نے بخشی ہے آبرو — معراجِ انس خیرِ بشر آپ ہی سے ہے
ایوانِ فکر روے منوّر سے ضو فشاں — روشن ہماری راہ گذر آپ ہی سے ہے
اک چشمِ التفات ادھر بھی مرے حضور — احمدؔ کی شامِ غم کی سحر آپ ہی سے ہے

**مولانا طفیل احمدؔ مصباحی**

R.N.I. No. 29292/76
Regd. No. AZM/N.P.28 2023-25

# THE ASHRAFIA MONTHLY

Mubarakpur Azamgarh (U.P.) 276404 (INDIA)

AUG 2025

(Mob. No.) 9450109981 (Mumbai Office) 022-23726122 (Delhi Office) Tel. 011-23268459, Mob.No. 9911198459

www.aljamiatulashrafia.org Email: info@aljamiatulashrafia.org

## الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور

الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور کا علمی فیضان ہندوستان گیر ہی نہیں بلکہ اب عالم گیر ہوگیا ہے۔ اشرفیہ نے جس برق رفتاری سے ارتقائی منزلیں طے کی ہیں اشرفیہ کے معاونین اور دیگر اہلِ خیر اس سے بخوبی واقف ہیں۔ اس وقت دو سو پچاس سے زائد افراد پر مشتمل ایک متحرک اور فعال اسٹاف اپنے فرائض کی انجام دہی میں مصروف ہے اور مختلف شعبوں میں تقریبًا گیارہ ہزار طلبہ تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ بیرونی طلبہ کی خوراک، رہائش اور اساتذہ و ملازمین کی تنخواہوں پر ایک خطیر رقم سالانہ خرچ کی جاتی ہے۔ لہٰذا یہ ادارہ بجا طور پر اہلِ خیر حضرات کی خصوصی توجہ کا طالب ہے۔ والسلام

عبدالحفیظ عفی عنہ
سربراہِ اعلیٰ الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور

## DONATION

You can make donation by cheque, Draft or by online in the favour of-

| (For Education) برائے تعلیمی چندہ | (For Construction) برائے تعمیری چندہ |
|---|---|
| (1) Darul Uloom Ahle Sunnat Madrasa Ashrafia Misbahul Uloom<br>**Central Bank of India**<br>**A/C 3610796165**<br>IFSC. Code: CBIN 0284532 | (1) Aljamiatul Ashrafia<br>**Central Bank of India**<br>**A/c 3610803301**<br>IFSC. Code: CBIN 0284532 |
| (2) Darul Uloom Ahle Sunnat Madrasa Ashrafia Misbahul Uloom<br>**Union Bank of India**<br>**A/C 303001010333366**<br>IFSC. Code: UBIN 0530301<br>Branch Code: 530301 | (2) Aljamiatul Ashrafia<br>**Union Bank of India**<br>**A/c 303002010021744**<br>IFSC. Code: UBIN 0530301<br>Branch Code: 530301 |
| (3) Darul Uloom Ahle Sunnat Madrasa Ashrafia Misbahul Uloom<br>**Punjab National Bank**<br>**A/c 05752010021920**<br>IFSC. Code : PUNB0057510 | (3) Aljamiatul Ashrafia<br>**Punjab National Bank**<br>**A/c 05752010021910**<br>IFSC. Code : PUNB0057510 |

(1)- Exempted u/s 80G, (5) (VI), of Income Tax Act. 1961, Vide File No. Aa.Ayukt/Gkp/80G, Redg. S.No. 178/2011-12 Dt. 30/8/2011 w.e.f A.Y 2012-13 (F.Y.2011-12)
(2)- Exempted u/s 12A, Vide Letter No. 177/2011-12

BHIM
BHARAT INTERFACE FOR MONEY

**BHIM UPI Payments Accepted at**
**Darul Uloom Ahle Sunnat**
**Madrasa Ashrafia Misbahul Uloom**
Account Number : 3610796165, IFSC Code: CBIN0284532

SCAN & PAY ANY UPI SUPPORTED APPS

**Only for Foreign Countries**. FCRA Registration. No.236250051 Nature: Educational Social. For Account Detail, please visit http://aljamiatulashrafia.in/donation.php?lang=EN